تذکرۂ

مولانا قاضی انعام اللہ مارتونگی نور اللہ مرقدہٗ

(فاضل دارالعلوم دیوبند و مظاہر العلوم سہارنپور، انڈیا)

مؤلف

ڈاکٹر ریحان الدین صدیقی

تذکرۂ

مولانا قاضی انعام اللہ مارتونگی نور اللہ مرقدہٗ

(فاضل دارالعلوم دیوبند و مظاہر العلوم سہارنپور، انڈیا)

اک چراغ جو زمانے سے چھپا رہا

سوانح حیات اور سماجی، علمی و قضائی خدمات

مؤلف

ڈاکٹر ریحان الدین صدیقی

نام کتاب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تذکرۂ مولانا قاضی انعام اللہ مارتونگی نور اللہ مرقدہٗ

مؤلف۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ریحان الدین صدیقی

کمپوزنگ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ریحان الدین صدیقی

تصحیح وترتیب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مولانا صباح الدین صدیقی

نظر ثانی 1۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مفتی کمال الدین المسترشد

نظر ثانی 2۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اعزاز الدین صدیقی

سال۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔2025ء

الناشر

ڈاکٹر ریحان الدین صدیقی

فاضل سیدو میڈکل کالج / خیبر میڈکل یونیورسٹی

رابطہ نمبر 03275264230

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

انتساب

میں یہ کتاب اپنے پرنانا محترم، علامہ خان بہادر مارتونگی رحمہ اللہ کے نام منسوب کرتا ہوں، جو علم و حکمت کا روشن مینار تھے۔ ان کی مبارک ذات نے علم و عمل کی روشنی سے نہ صرف کئی دلوں کو منور کیا، بلکہ نسلوں کے اذہان کو بھی سیراب کیا۔

پیش لفظ

الحمد للہ وحدہ.والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ.اللھم یا مفتح الابواب.ویا مسبب الاسباب. ویا دلیلَ الحائرین.توکلت علیك یا رب العالمین. وافوض امری الی اللہ.ان اللہ بصیر بالعباد.

معزز ناظرین کرام! اس مختصر سی تحریر میں، میں چند معروضات پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں جو کتاب کی شکل میں آپ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ یہ میرے پردادا، مولانا قاضی انعام اللہ رحمہ اللہ، کی علمی و روحانی خدمات پر ایک عاجزانہ خراجِ عقیدت ہے۔ باباجیؒ ایک جید، متبحر، اور درویش صفت عالم دین تھے، جن کی سیرت و خدمات کو لفظوں میں سمیٹنا یقیناً ایک مشکل ترین امر ہے۔

یہ کتاب لکھنے کا خیال ایک مدت سے دل میں مچل رہا تھا، مگر کام کی دشواری اور وقت کے گرداب نے بارہا قلم کو تھامنے سے روکا۔ باباجیؒ کی وفات کو نصف صدی سے زائد کا عرصہ بیت چکا۔ اگر اُن کے معاصرین یا براہِ راست شاگرد یہ کام کرتے، تو یقیناً اس کی تاثیر اور انداز کچھ اور ہوتا۔ بعد کی نسلیں، خاص طور پر اُن کے فرزندان، اگر قلم اٹھاتے تو بات اور ہوتی۔ لیکن میں چونکہ اُن کی تیسری نسل سے تعلق رکھتا ہوں، اس لیے جو کچھ لکھا، وہ ایک عقیدت مند پوتے کی ٹوٹے پھوٹے جذبوں کی صورت ہے۔ کتاب کا آغاز میں نے دارالعلوم دیوبند، انڈیا کو ایک ای میل ارسال کرنے سے کیا، جس کا جواب الحمدللہ ایک ہفتے کے اندر ملا، اور اس میں باباجی کے متعلق قیمتی

معلومات فراہم کی گئیں۔ بعد ازاں مظاہر العلوم سہارنپور، انڈیا سے رابطہ کیا گیا، جہاں سے ایک سال بعد جواب موصول ہوا اور وہاں کی دستاویزات سے بھی باباجیؒ کی، اس مادرِ علمی سے وابستگی کا پتا چلا۔

اس کے بعد دیگر ذرائع سے مزید معلومات جمع کرنے کا عمل جاری رہا۔ تعلیمی مصروفیات کی بنا پر یہ کام بتدریج آگے بڑھتا رہا۔ اس سلسلے میں میں نہایت شکر گزار ہوں اپنے محترم چچا، مفتی کمال الدین المسترشد، شیخ الحدیث و رئیس دارالافتاء جامعہ اسلامیہ، کلفٹن کراچی، کا، جنہوں نے نہ صرف میری بھرپور رہنمائی فرمائی بلکہ اپنی ذاتی دلچسپی کے باعث اس کام کو اپنی مدد سے سنوارا۔ اُنہوں نے کراچی میں باباجیؒ کے شاگردوں سے ملاقاتیں کیں، ان کے انٹرویوز کیے، اور ان قیمتی مواد کو میرے ساتھ شریک کیا۔ اسی طرح الندوۃ لائبریری، اسلام آباد سے میری درخواست پر دارالعلوم دیوبند کی مکمل سالانہ روداد فراہم کی، جس سے کتاب کو تاریخی استناد ملا۔ اُن کی علمی رہنمائی اور مخلصانہ معاونت میرے لیے سرمایۂ افتخار ہے، جس پر میں دلی ممنونیت کا اظہار کرتا ہوں۔

میرے والدِ محترم، مولانا صباح الدین صدیقی صاحب، نے اس کوشش کو سراہا، میری معاونت فرمائی، اور خاص طور پر اس کتاب کی زبان و اسلوب کو ادبی قالب میں ڈھالا۔ میں نے تحریر کو رواں اردو میں قلمبند کیا، اور اُنہوں نے اسے بلند ادبی اسلوب عطا فرمایا۔ اس لحاظ سے، اس کتاب میں اُن کا گراں قدر حصہ شامل ہے۔ ان کی حوصلہ افزائی، علمی بصیرت اور بے لوث تعاون نے

میری کوششوں کو ایک نیا رخ دیا، جس کے لیے میں ان کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔

اسی مناسبت سے میں اپنے محترم چچا، اعزاز الدین صدیقی صاحب کا بھی نہایت ممنون ہوں، جو محکمہ تعلیم خیبر پختونخوا میں ماہر مضمون انگریزی کے منصب پر فائز ہیں۔ وہ نہ صرف ایک اچھے لکھاری ہیں بلکہ وسیع مطالعہ، باریک بیں مشاہدہ، اور علمی ذوق کے حامل فرد بھی ہیں۔ اُنہوں نے اس کتاب کی تالیف کے دوران نہ صرف میری حوصلہ افزائی فرمائی بلکہ متعدد اہم نکات کی جانب میری توجہ مبذول کروائی، قیمتی معلومات فراہم کیں، اور آخر میں اس مسودے کا باریک بینی سے مطالعہ کرکے اس پر جامع نظر ثانی بھی کی۔ اُن کی علمی معاونت اور اخلاص میرے لیے باعثِ افتخار ہے، جس پر میں تہہ دل سے اُن کا شکر گزار ہوں۔ میرے چچازاد بھائی نفاذالدین صدیقی بھی اس مہم میں میرے ہمراہ رہے، اور انٹرویوز کے دوران میری بھرپور معاونت کی۔ میں اُن کا بھی تہہ دل سے ممنون ہوں۔

میں اُن تمام مشائخ، علماء، بزرگوں اور متعلقین کا ممنون و مشکور ہوں جنہوں نے باباجیؒ سے متعلق واقعات، قصے، اور معلومات فراہم کیں، جن سے یہ تحریر نکھر گئی اور ایک محبت بھری دستاویز کی صورت اختیار کر گئی۔ جزاهم الله خيراً و أحسن الجزاء۔

آخر میں، میں اپنے پروردگار کا شکر ادا کرتا ہوں، جس نے مجھے اس کارِ خیر کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائی۔

ریحان الدین صدیقی

کوز کلے، مارتونگ، شانگلہ، خیبر پختونخوا

بروزِ جمعہ 9 مئی 2025ء

کچھ باتیں مارتونگ کی اور کچھ اپنے داداجان کی

مقدمہ از مفتی کمال الدین المسترشد

مارتونگ کی حیثیت ضلع شانگلہ میں تاریخی لحاظ سے باقی تمام تحصیلوں کی بہ نسبت نمایاں رہی ہے۔ آزاد دائرۃ المعارف، ویکیپیڈیا اور مغربیا نگریزی انسائیکلوپیڈیا "برٹانیکا" جیسے عالمی تاریخی مجموعوں نے مارتونگ اور اس کی بعض علمی شخصیات اور مارتونگ سے جڑے بعض واقعات پر روشنی ڈالی ہے۔ مارتونگ کی خاک پاک کو اللہ تعالیٰ نے بہت مردم خیز بنایا ہے، کچھ یوں ہی محسوس ہوتا ہے کہ قادر مطلق نے مارتونگ کی مٹی کو علمی شخصیات اور علم دوستی کی تخم ریزی کے لیے بطور خاص مستعد فرمایا ہے۔ جس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہاں بڑی تعداد میں جید ترین علماءِ کرام اور صوفیاء عظام محو استراحت ہیں ان میں بعض عالمی شہرت کے حامل تھے حسامی کے شارح حضرت مولانا محمد کبیر مارتونگی رحمۃ اللہ علیہ، صاحب "الدر السامی، شرح حسامی" جس سے بڑی تعداد میں خلق خدا فیض یاب ہو رہی ہے۔

استاذ الکل مرشدِ طریقت ورہبر شریعت حضرت مولانا خان بہادر صاحب رحمہ اللہ المعروف بہ مارتونگ باباجی کا ذکر خیر دارالعلوم دیوبند کے مجلہ سمیت کئی نامور ماہناموں اور روزنامہ امت کراچی، کی زینت بنا ہے۔

اور میرے تایانانا عارف باللہ، شمس العارفین حضرت مولانا صفی اللہ رحمۃ اللہ علیہ المعروف بہ داداجی جو اسی منزکلی اور کوزکلی کی خاک میں اپنا بچپن گزار کر طلب علم کے شوق میں اچھے سے

اچھے اساتذہ کو تلاش کرتے کرتے مغربی بنگال، کلکتہ میں آفتاب ضحوۃ الکبری بن کر طلوع ہوئے اور وہیں سے راہی آخرت ہوئے۔ انکا ذکر خیر انسائیکلوپیڈیا، برٹانیکا میں بھی کیا گیا ہے۔ یہ وہ معروف شخصیات تھیں جو معارف باطنیہ و علوم ظاہریہ سے آراستہ تھیں۔

Notable People

Maulana Safiullah Dadaji (1870-1948) - Spiritual Scholar and Islamic Philosopher

ان سے پہلے اور مابعد کے بہت سے نامور علماء بھی اسی مارتونگ کی درسگاہوں سے خلق خدا کو آب حیات سے سیراب کرتے رہے ہیں۔ ان میں سے بعض کا تذکرہ ڈاکٹر ریحان الدین صدیقی نے اپنی اس کتاب میں کیا ہے۔

مارتونگ کی تاریخ کتنی پرانی اور کتنی پراسرار ہے؟

اگر آثار قدیمہ کے ماہرین صرف اس کے چار پانچ چھوٹے چھوٹے گاؤں کے قبرستانوں کا سرسری جائزہ بھی لیں تو لا محالہ وہ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ یہاں ضرور کوئی بڑی تاریخ پنہاں اور خلق خدا بڑی تعداد میں مدفون ہے۔

مارتونگ کے مرکزی قبرستان کا سلسلہ اتنا طویل ہے کہ میں نے ٹھٹھہ کے مکلی قبرستان جو کہ ایشیاء کا سب سے بڑا قبرستان ہے، کے بعد کسی چھوٹے گاؤں یا قریہ کا اتنا وسیع قبرستان کہیں بھی نہیں دیکھا ہے۔ مکلی قبرستان، ٹھٹھہ، سندھ میں واقع ہے اور یہ ایشیا کا سب سے بڑا قبرستان ہے۔ یہ

تقریباً نو سو بائیس ایکڑ پر پھیلا ہوا ہے. اس وسیع و عریض قبرستان میں مختلف ادوار کے ہزاروں مقبرے اور مزارات موجود ہیں۔

مارتونگ کے قدیم قبرستان کا موازنہ ٹھٹھہ کے مکلی قبرستان سے ہر گز نہیں کیا جاسکتا کہ شہر اور گاؤں، دیہات کی آبادی میں بڑا تفاوت ہوتا ہے۔

مگر یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ مارتونگ کے سلسلہ قبرستان کو اگر ٹھٹھہ کے مکلی قبرستان کے تناظر میں دیکھا جائے تو مارتونگ کی تاریخ کی دھندلی تصویر کافی ستھری ہو جائے گی۔

مارتونگ کے مرکزی گاؤں (کوز کلے) کے رہائشی مکانات ہم بچپن میں گنتے تھے تو ان کی تعداد پچھتہر تک نہیں پہنچتی تھی اس کے مضافاتی دیہات کی کل آبادی جن کے قبرستانوں کی بات ہو رہی ہے، ہمارے بچپن کے زمانے میں بمشکل کوز کلی کی آبادی کے لگ بھگ ہو گی۔

لیکن ان کے درمیان واقع سلسلہ قبرستان کی اس آبادی سے بظاہر کوئی نسبت بنتی نظر نہیں آتی۔

بر کنکار کی دونوں جانب، بالا و پائیں دو قبرستان ہوا کرتے تھے،اس کے قریب واقع کوز کنکار میں بھی مستقل قبرستان تھا اور شاید یہ تینوں قبرستان اب بھی اپنی حالت پر ہوں گے پھر ایک کھائی، "خُٹ کندیَ" کے حائل ہونے کے بعد ایک طویل سلسلہ شروع ہوتا تھا اور چوتاریَ سے ہوتا ہوا کوز کلی کے مشرق میں دوسرے بازار تک جاتا کہیں نسبتاً کم چوڑا اور کہیں زیادہ۔یہ مرکزی قبرستان ہے۔ آہنگرو بابا، منڈو بابا، توتانو، کنڈوگے، رات قبرونہ اور بابوزومیرہ کا قبرستان یہ سب تھوڑے تھوڑے فاصلے پر واقع ہیں۔

اگر ان سب قبرستانوں کو آپس میں ملا کر جوڑا جائے تو یہ سلسلہ کم سے کم اڑھائی کلومیٹر تک پھیلا ہوا بنتا ہے۔ جو اس بات کا آئینہ دار ہے کہ اس سرزمین کی تاریخ غیر معمولی ہے مگر افسوس کہ یہ تمام مؤرخین کی نظروں سے اوجھل رہی ہے۔

مارتونگ کی مٹی کا اثر وہاں کے عوام پر بھی نظر آتا ہے فطری ملکات، مہمان نوازی، شرافت طبع، خدمت خلق، باہمی ارتباط اور مذہبی رجحانات جیسی صفات ان کی خصلت میں پائی جاتی ہیں۔

علم کے جو روشن ستارے مارتونگ کے افق پر چمکتے دمکتے تھے ان میں ایک نمایاں روشن ستارہ اور نابغہ روزگار شخصیت میرے داداجی حضرت مولانا قاضی انعام اللہ نور اللہ مرقدہ تھے جن کے حالات زندگی پر ڈاکٹر ریحان الدین نے قلم اٹھایا ہے۔

مولانا انعام اللہ صاحب ایک جید عالم دین اور کامیاب مدرس تھے، انہیں تمام فنون پر مکمل عبور حاصل تھا اور بالخصوص اصول فقہ، نحو، معانی وبیان اور تفسیر بیضاوی کے علاوہ منطق وفلسفہ اور جغرافیہ دانی میں خاصی شہرت رکھتے تھے۔

چونکہ مارتونگ میں درس بزبان پشتو دینے کا معمول تھا اس لیے پنجاب اور سندھ کے طلبہ سوات کے کسی مدرسہ یا درسگاہ میں شریک درس نہیں ہوسکتے تھے تاہم موجودہ خیبر پختونخواہ اور بلوچستان کے پشتون اکثریتی علاقوں کے طالبان علم کے علاوہ افغانستان اور وسطی ایشیائی ممالک سے بھی بڑی تعداد میں علم کے پیاسے اپنی تشنگی بجھانے کے لئے سوات کی تحصیل مارتونگ آیا کرتے تھے۔

سوات بھر میں کافی ساری درسگاہیں شہرت کی حامل تھیں لیکن مارتونگ کو اللہ تعالیٰ نے خاص

مقبولیت سے نوازا تھا جو میرے اساتذہ کرام مولانا رشید احمد صاحب، مولانا امان اللہ صاحب اور مولانا لطف اللہ صاحب المعروف بہ سنگار باباجی رحمھم اللہ کی وفات تک قائم رہی۔ اب وہاں خزاں کی ہوائیں چل رہی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے جو سارے عالم میں چل رہا ہے کسی چیز کو کم اور کسی کو زیادہ عروج دینے کے بعد اسے زوال کی وادی میں پھینک دیتا ہے۔

اس کتاب میں میرے دادا جان کے ساتھ ساتھ علاقے کے دیگر اہلِ علم حضرات کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے، کچھ کا اختصار سے اور کچھ کا تفصیل کے ساتھ۔ یوں یہ کتاب علاقے کے علماء کی تاریخ کو محفوظ رکھنے والی ایک قابلِ قدر دستاویز بن گئی ہے۔

میرے دادا مولانا انعام اللہ علیہ الرحمہ کو میں نے منز کلی کی مسجد میں پڑھاتے ہوئے بھی دیکھا اور تحصیل میں بھی اور سماجی مسائل میں بھی مصروف دیکھا۔ میری عمر گو کہ آپؒ کی وفات کے دن نو دن کم نو سال کی تھی مگر مجھے داداجی کی مصروفیات اچھی طرح یاد ہیں۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ والدہ صاحبہ نے مجھے، بھائی عبد المجید اور دوسرے لڑکوں کے ساتھ بوڑئ (ایک پہاڑی علاقے کا نام ہے) بھیجا تھا تاکہ ہم باباجی کے لیے خشک لکڑیاں لاکر جمع کریں کہ انہیں اعتکاف کے دوران رات کو آگ جلانے میں تکلیف نہ ہو۔ باباجی اس عمل سے بہت زیادہ خوش ہوئے اور ہمیں ڈھیروں دعائیں دیں۔

میں کالاڈھاکہ کے جتنے علمائے کرام سے ملا ہوں، سب کو باباجی کا مداح پایا۔ وہ علوم پر دسترس کے حوالے سے ان کی تعریفیں کرتے تھے۔

ایک جید و ماہر عالم دین بننے کے لئے کتنی محنت کی ضرورت ہوتی ہے اور کتنی مشکل سے آدمی علم کے افق پر چمکنے کے قابل ہو جاتا ہے؟ اس کا جواب لفظوں میں نہیں دیا جا سکتا یہ وہی شخص جانتا ہے جو وہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا ہو۔

ہمارے باباجی کو اللہ تعالیٰ نے جن صلاحیتوں سے نوازا تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آج جبکہ ان کی چوتھی نسل جنم لے چکی ہے مگر علاقہ مکین ہمیں باباجیؒ کی وجہ سے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

ڈاکٹر ریحان الدین کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے باباجیؒ کی چیدہ چیدہ سوانح حیات کو قلمبند کیا ہے جس سے ان کی تاریخی شخصیت ان شاء اللہ اب زمانے کے رَو میں بہنے سے بچ گئی ہے۔ کم ہی لوگوں کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنی بزرگ شخصیات کی تاریخ کو ضبط کر کے محفوظ کرتے ہیں۔

ویسے تو الحمدللہ ہماری خاندانی پہچان علم ہے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک تقریباً پورا شجرہ نسب علماء پر مشتمل ہے تاہم میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایک علمی خاندان میں آنکھ کھولنے کی نعمت سے نوازا ہے۔

علم جیسی لذت، تخت و سلطنت میں میسر ہو سکتی ہے، نہ مال و دولت میں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری آنے والی نسلیں بھی اس بار امانت کا تحمّل اور حفاظت کرنے میں کامیاب ہوں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی سید المرسلین محمدِنِ المصطفیٰ واحمدِنِ المجتبیٰ وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ الی یوم الدین۔ آمین۔

(مفتی) کمال الدین المسترشد

شیخ الحدیث و

رئیس دار الافتاء، جامعہ اسلامیہ کلفٹن کراچی

بروز ہفتہ 19 جولائی 2025ء

محترم مولانا صباح الدین صدیقی کے کتاب کے بارے تاثرات

بسم اللہ الرّحمن الرّحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً۔ اپنے اسلاف یعنی گزرے ہوئے بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے میں ہمارے لئے بہت بڑی سعادت مندی اور سرخروئی ہے، کیونکہ ان کا زمانہ خیر القرون سے زیادہ قریب ہے۔ ان اکابرین کے منبع فیض سے استفادہ کرنے اور اس شجر سایہ دار و سدا بہار سے پیوستہ رہنے میں دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی کا راز پوشیدہ ہے۔ جو لوگ اپنے بزرگوں کا نقش قدم چھوڑ بیٹھتی ہیں وہ گمراہی کی پر خطر وادیوں میں بھٹکتی پھرتی ہیں اور انہیں وہاں سے نکلنے کا راستہ بھی میسر نہیں رہتا۔

یہی وجہ ہے کہ اقوام ملحدہ خصوصاً یہود و نصاریٰ کی یہ کوشش رہی ہے کہ ہر حربہ اور وسیلہ استعمال کر کے امت مسلمہ کے نوجوانوں کو اپنے اسلاف کے بارے میں بدظن کیا جائے تا کہ وہ اپنی روایات، اقدار اور تہذیب و تمدن سے بے گانہ ہو کر اپنے تابناک ماضی سے کٹ کر اللہ کے دین کے دشمنوں کے لئے تر نوالہ بن جائیں۔ علمائے امت اور اسلاف ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ اللہ تعالٰی نے ان کے بارے میں اپنے کلام میں ہمیں واضح ہدایات و ارشادات عطا فرمائی ہیں۔ کما قال اللہ تعالٰی. یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتو العلم درجات (ترجمہ) اللہ تعالٰی تم میں سے اہل ایمان اور اہل علم کو درجات عالیہ سے سر فراز فرمادے گا۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (ترجمہ) اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں اہل علم ہی زیادہ ڈرتے ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے، فاسئلو اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (ترجمہ) اگر تم دین کے علوم و معارف کو نہیں سمجھ سکے تو اہل علم حضرات پوچھ کر استفادہ کیا کرو۔

احادیث مبارکہ میں بھی علمائے امت کے بہت سارے فضائل وارد ہیں۔ جن کے نقل کرنے سے یہ مضمون طویل ہو جائے گا۔

علمائے کرام امت مسلمہ کے وہ رہنما ہیں جنہوں نے ہر دور میں علم وہدایت کے چراغ جلائے اور لوگوں کو دین حق کی راہ دکھائی۔ ان کی زندگیاں زہد و تقویٰ، ایثار و قربانی اور علم و عمل کے حسین امتزاج کی آئینہ دار رہی ہیں۔ یہ وہ شخصیات ہیں جنہوں نے اپنی بصیرت اور علم کے ذریعے نہ صرف کتاب و سنت کی توضیح کی بلکہ عملی زندگی میں اسوۂ حسنہ کی جھلک دکھائی۔ علماء ہی کی محنت اور اخلاص سے مدارس و مکاتب کی فضا آباد رہی اور عوام الناس کے دلوں میں ایمان کی حرارت زندہ رہی۔ ان کی گفتگو میں دلوں کو نرم کرنے والی تاثیر اور ان کے قلم میں قوموں کو بیدار کرنے والی قوت پائی جاتی ہے۔ دراصل، علماء وہ وارثانِ انبیاء ہیں جن کے وجود سے معاشرے کو فکری رہنمائی، روحانی بالیدگی اور دینی روشنی نصیب ہوتی ہے۔

ایسی ہی مقدس ہستیوں میں ایک درخشندہ نام مولانا انعام اللہ مرحوم و مغفور کا ہے۔ آپ رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔ ایک کامیاب مدرس، انصاف پسند قاضی اور ایک

مرشد و مصلح بزرگ کی حیثیت سے وہ کارہائے نمایاں انجام دئے جو رہتی دنیا تک یاد رکھے جائیں گئے۔ آپؒ کی دینی خدمات اتنی زیادہ اور متنوع ہیں کہ میرا قلم ان کے تذکرے سے قاصر ہے۔ میرے قلم کی روشنائی ختم ہو جائے گی لیکن ان کی خدمات کی تفصیل ناتمام اور ادھوری ہی رہ جائے گی۔ ایک پشتو شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ستا د خائست ګلونه ډیر دی

جولئ مِ تنګه څه به کوم کوم ټولومه

یعنی تیرے حسن کے پھول اتنے زیادہ و متنوع ہیں جو میرے دامن میں نہیں سما سکتے اور وہ تنگی داماں کا رونا رو رہا ہے۔ اس مقام پر میں، اپنے ہونہار فرزند ڈاکٹر ریحان الدین صدیقی کو داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ موصوف، ماشاء اللہ ایک ذہین و فطین طالب علم ہیں جو علم و تحقیق کا ذوق رکھتے ہیں۔ جو اپنے اسلاف اور بزرگوں سے محبت کرنے والے انسان ہیں اور ان کے تذکروں اور حالات بیان کرنے میں لذت و شادمانی محسوس کرتے ہیں۔ انہوں نے پہلے مجھے صدیقی خاندان کے نسب نامہ (شجرہ نسب) مرتب کرنے پر آمادہ کیا۔ بعد ازاں مولانا انعام اللہ باباجی مرحوم کی سوانح حیات کی تدوین پر قلم اٹھایا تو تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ باباجی کے متعلقین حضرات جو ابھی تک زندہ ہیں اور آپؒ کی خدمات دینیہ کے عینی شاہدین ہیں، سے انٹرویوز لے کر تفصیلی حالات صفحاتِ قرطاس پر منتقل کر لیئے۔ باباجی کے علمی سفر کی تفصیلات معلوم کرنے کے لئے دارالعلوم سہارنپور اور دارالعلوم دیوبند انڈیا کے ذمہ داروں سے رابطہ قائم کیا اور وہاں سے موصول شدہ تمام معلومات کو اس کتاب میں شامل کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارا پورا خاندان خواب غفلت میں مدہوش تھا کہ ڈاکٹر ریحان الدین صدیقی نے ہمیں اس نیند سے بیدار کیا اور ہمیں یہ احساس دلایا کہ تحقیقی ذوق کیا ہوتا ہے؟ اس کے تقاضے کیا ہوتے ہیں اور اپنے بزرگوں کے ذکر خیر سے فیض حاصل کرنا، اور ان کے کارناموں پر فخر کرنا اور ان کی خوبیوں و عمدہ اوصاف کو اپنانا کتنی بڑی سعادت مندی ہے؟۔

میں ڈاکٹر ریحان الدین صدیقی کے روشن مستقبل اور کامیابی و کامرانی کے لئے عاگو ہو اور اس قابل قدر کام کی انجام دہی پر انہیں خراج تحسین پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے باباجی پر تحقیق کے لئے ایک راہ متعین کی ہے۔ اب خاندان کے اہل علم حضرات کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس تحقیقی کام کو آگے بڑھا کر باباجی کی خدمات دینیہ کو مزید نمایاں کر کے اُنہیں خراج عقیدت پیش کریں۔

موصوف کا کام اگرچہ بہت زیادہ قابل قدر ہے۔ لیکن باباجی مرحوم کی خدمات کی نسبت سے کم ہے۔ میں اس امید میں جی رہا ہوں کہ خاندان کے اہل علم حضرات اس سلسلے کو مزید آگے بڑھائیں گے اور ان کی سوانح حیات اور خدمات پر مزید تحقیقی کام کریں گے۔ یہ تحقیقی کام جہاں ان محققین کے لئے اجر و ثواب اور سعادت دینوی و اخروی کا سبب ہو گا، وہاں باباجی کے حالات نکھر کر سامنے آئیں گے تو اس مینارۂ نور سے بھٹکتے مسافر روشنی پائیں گے اور رہ روان و متلاشیان حق اس روشنی سے اپنی منزل کی طرف گامزن ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

نیز، میں ان اداروں اور شخصیات کا ممنونِ احسان ہو کر اُن کا شکر ادا کرتا ہوں جن کے تعاون سے اس کتاب کی تدوین ممکن ہوئی۔ نیز میں اللہ رب العزت کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس نے میرے

نونہار فرزند کو اس اہم کام کی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائی۔

آخر میں اس دعا کے ساتھ تحریر ہذا کو ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ باباجی مرحوم کو غریق رحمت فرمائے اور آپؒ کے تمام پسماندگان کے دین وایمان، عزت، جان ومال اور اہل وعیال کی حفاظت فرمائے۔آمین۔ بِجاہِ سید المرسلین۔

صباح الدین صدیقی

ساکن کوز کلے، مارتونگ، شانگلہ

بروزِ پیر 23 جون 2025ء

محترم اعزاز الدین کے کتاب کے بارے تاثرات

کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو کہ اپنے زمانے میں علم و عمل، فہم و فراست اور زہد و تقویٰ کے آسمان کے چمکتے ستارے ہوتے ہیں لیکن بہت جلد شاہراہِ حیات کی پر خطر وادیوں میں گم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ نتیجتاً نئی نسل اُن کے علم و فضل اور دینی خدمات سے بے خبر رہتی ہے۔

ایسی ہی ایک شخصیت ہمارے باباجی، قاضی انعام اللہؒ کی بھی ہے، جو کہ بیسویں صدی کے علم و حکمت کے سمندر کے ایک خوبصورت اور چمکدار موتی تھے۔ آپؒ کی علمی خدمات سورج کی طرح روشن تھیں۔ مشہورِ زمانہ تعلیمی ادارے دارالعلوم دیوبند (انڈیا) سے فارغ التحصیل تھے۔ ملک کے طول و عرض، افغانستان، ایران اور وسطی ایشیا سے تشنگانِ علم مارتونگ آکر علم کے اس چشمے سے سیراب ہوتے تھے۔ پشتو زبان کے علاوہ عربی، فارسی اور اردو زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ تقریر کے ایسے ملکہ سے قدرت نے اُنھیں نوازا تھا کہ لوگ اُنہیں مولانا آزاد سے تشبیہ دیتے تھے۔ مارتونگ تحصیل میں والیِ سوات کے زمانے میں قاضی کے عہدے پر فائز تھے۔ اپنی بے لاگ، غیر جانبدار اور دلیرانہ شرعی فیصلوں کے لیے مشہور تھے۔ زندگی نے زیادہ دیر وفانہ کی۔ یخ تنگی کے مقام پر جیپ کے ایک افسوسناک حادثے میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور شہادت سے سرفراز ہوئے۔

چونکہ باباجی کی شخصیت اور علمی خدمات نوجوان نسل کی نظروں سے اوجھل ہیں اور بہت کم لوگ اُن سے متعلق جانتے ہیں، اس لیے پیارے بھتیجے، ڈاکٹر ریحان الدین صدیقی نے باباجی کی زندگی،

تعلیم، اور علمی و قضائی خدمات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے، جو کہ ہم سب کی طرف سے بابا جی کی شخصیت سے متعلق لاپرواہی اور سستی کا ایک کفارہ بھی ہے۔ امید ہے کہ ہماری نئی نسل اس اہم دستاویز کو مفید اور دلچسپ پائے گی اور اُنہیں بابا جی سے متعلق مستند معلومات حاصل ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ وہ اِس سعی کو قبول فرمائے اور اِسے ہم سب اور آنے والی نسلوں کو شاہراہِ حیات پر صحیح طریقے سے چلنے کے لئے مشعل راہ بنائے۔ آمین!

اعزاز الدین

ماہر مضمون انگریزی

گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول، مار تونگ

بروزِ ہفتہ 21 جون 2025ء

مفتی نصیر احمد صدیقی بن المسترشد کے کتاب کے بارے تاثرات

حامدا و مصلیا.

جس طرح انسانی آبادی نقل مکانی کے ذریعے دنیا میں اپنا پڑاؤ بدلتی رہتی ہے اسی طرح علم بھی اس روئے زمین پر نقل مکانی کرتا چلا آرہا ہے، چنانچہ تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ علم کا یہ سفر مختلف زمانوں میں مختلف پڑاؤ بدل چکا ہے، قرون اولی میں مدینہ سے علم کا چشمہ پھوٹ کر کوفہ پہنچا جہاں حضرت عبداللہ بن مسعود جیسے جلیل القدر صحابی علم کے پیاسوں کو اس چشمہ سے سیر اب کر رہے تھے، اسی طرح ہم سمرقند و بخاری کی تاریخ دیکھتے ہیں تو وہاں علماء کی ایک عظیم الشان تعداد کا تابناک ماضی نظر آتا ہے، آج سمرقند وبخاری کی حالت دیکھ کر کون یقین کر سکتا ہے کہ یہاں سے امام بخاری و امام ترمذی، علامہ تفتازانی و علامہ مرغینانی جیسے جبال علوم نے چار دانگ عالم میں علم کا چراغ روشن کیا اور ان کی گونج آج انحاء عالم میں سنائی دے رہی ہے، صوبہ سندھ کے ایک پسماندہ علاقہ ٹھٹھہ کو دیکھ کر کیا آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہاں مولانا محمد مخدوم ہاشمی ٹھٹوی ؒ جیسی عالمگیر شخصیت نے جنم لیا ہے جن کی تصانیف جامعہ ازہر کے نصاب کا حصہ ہے، یقینا اگر تاریخ کے اوراق ہمارے سامنے نہ ہوتے تو ہم ان وارثین نبوت کے مسکن و مدفن سے مکمل بے خبر رہتے۔

آمدم بر سر مطلب، علم کے اس سفر نے کسی زمانہ میں اپنا پڑاؤ صوبہ خیبر پختون خواہ کے دور دراز

پہاڑوں کے درمیان واقع "مارتونگ" نامی بستی میں کیا، مارتونگ کسی زمانے میں علوم وفنون کی آماجگاہ تھی، تشنگان علم میلوں کا سفر طے کرکے یہاں موجود اعلام علم وفن سے استفادہ کرنے پہنچتے، اور اپنی جھولیاں خوب بھر بھر کر واپسی کی راہ لیتے، آج اگر تاریخ میں کسی کو مارتونگ کا ذکر ملتا ہے تو وہ انہی ہستیوں کے روشن ذکر سے ملتا ہے یہاں کے فاضلین اس وقت بھی ملکی وغیر ملکی مختلف تعلیمی اداروں میں خدمت دین کے فریضے میں مشغول ہیں، ہم بچپن سے اپنے بزرگوں سے مارتونگ کے واقعات سنتے چلے آرہے ہیں کہ کس طرح طلبہ کا قیام ہوتا تھا اور راتوں کو دیر تک طلبہ بیٹھ کر فنون سیکھتے تھے لیکن یہ واقعات صرف سینہ بہ سینہ ہی نقل ہوتے آرہے تھے، اگر انہیں کسی صفحے پر نقش نہیں کیا جاتا تو یقینا آنے والی نسل کو اس علاقہ کی اہمیت، اس کا شاندار ماضی اور یہاں کی ان بزرگ ہستیوں کے حوالے سے کچھ خبر ہی نہ ہوتی، یہ ہمارے چچازاد بھائی ڈاکٹر ریحان الدین صدیقی کا احسان ہے کہ انہوں نے اپنی ذاتی دلچسپی کے باعث تاریخ کا ایک سنہرا باب اوراق پر، محفوظ کرلیا۔ اس کتاب میں انہوں نے خصوصا ہمارے پردادا مولانا قاضی انعام اللہ مرحوم کا بسط وتفصیل سے ذکر خیر فرمایا ہے جس میں ان کا خاندانی پس منظر، علمی سفر، اساتذہ وطلبہ کا تعارف اور ان کی دینی خدمات شامل ہیں، اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے کتاب میں مارتونگ کے دیگر علماء عظام کا بھی ذکر فرمایا ہے، دوران مطالعہ میرے تاثرات ہر لمحہ بدلتے جارہے تھے اور گویا کہ میں خود الفاظ کے ساتھ سفر کررہا تھا، الفاظ کا انتخاب بہت عمدہ ہے اور کتاب کا مضمون سہل رکھا گیا ہے تاکہ پڑھنے والا خوب محظوظ ہوسکے، یقینا یہ ڈاکٹر صاحب کا علمی

شوق اور لگن ہے کہ انہوں نے اس قدر اہم کارنامہ سرانجام دیا اور اپنے بزرگوں کی تاریخ سے دنیا کو روشناس کروایا، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو ان کے لیے دونوں جہان کی کامیابیوں کا ذریعہ بنائے۔آمین یارب العالمین۔

(مفتی) نصیر احمد

استاد جامعہ اسلامیہ کلفٹن

امام وخطیب جامع مسجد عثمان کراچی

بروز اتوار 20 جولائی 2025ء

مارتونگ کا تعارف اور تاریخی اہل علموں کا مختصر تذکرہ

مارتونگ جو اس وقت خیبر پختونخوا کے ضلع شانگلہ کی ایک تحصیل ہے، تین یونین کونسلوں پر مشتمل ہے: بہلول خیل، نصرت خیل اور مارتونگ خاص۔ دریائے سندھ کی مغربی جانب، ضلع شانگلہ کے جنوب مشرقی خطے میں واقع سرسبز و شاداب وادی مارتونگ، اپنی قدرتی خوبصورتی اور روحانی تاریخ کی بناء پر ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔

"مار-تونگ" کا مفہوم ہے "مداری کی، سانپ کی ٹوکری" اور خیال کیا جاتا ہے کہ "مارتونگ" کا نام اسی سے ماخوذ ہے۔ جیسے مداری کی سانپ کی پٹاری ہوتی ہے، اسی طرح مرکزی مارتونگ ایک نسبتاً کم بلندی والی وادی ہے جو چاروں طرف سے بلند پہاڑیوں سے گھری ہوئی ہے اور اس ٹوکری کی مانند ہے۔

مارتونگ کے بارے میں ایک دیومالائی کہانی بھی مشہور ہے جس کے مطابق یہاں ایک دیو ہیکل اژدہا (سانپ) رہا کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ خوفناک سانپ مارتونگ کے شمال کی جانب پہاڑ "ٹانگیال" میں رہتا تھا اور وہاں کی مٹی اور پتھروں کو کھا جایا کرتا تھا۔ آج بھی اس پہاڑ کے ایک حصے میں یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی چیز اس کو کھا گئی ہو۔ پشتو زبان میں اس جگہ کو "مار خوڑلے" کہا جاتا ہے، جس کے معنی ہیں سانپ کا کھایا ہوا۔ "مار-تَوَنگ" سے مارتونگ کے نام کا اخذ ہونا ان دونوں تشریحات سے تقویت پاتا ہے، تاہم یہ کوئی ثابت شدہ بات نہیں ہے۔

مقامی افراد کے مطابق "تونگ" اُس جگہ کا نام ہے جو توربانڈہ، جو کہ مارتونگ کا ایک گاؤں ہے،

کے سفر کے دوران راستے میں آتی ہے۔ وہاں دو کم سن بے گناہ شہداء کی قبروں کا وجود مانا جاتا ہے اور "تونگ شہید" کی جگہ کی تصدیق مقامی لوگوں سے ہوئی اور انہوں نے کہا کہ واقعی تونگ شہید ایک جگہ ہے تور بانڈہ میں۔

یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ ماضی میں یہ علاقہ چینی اثرات کے زیرِ اثر رہا ہو، اور مار تونگ کا نام ایک چینی لفظ سے مشابہت رکھتا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر فخر الاسلام اپنے تحقیقی مقالے "ریاست سوات 1849ء تا 1969ء ایک تاریخی جائزہ" میں لکھتے ہیں کہ

" چینی اثرات سوات کی ثقافت پر واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ سوات، شانگلہ اور بونیر کے اکثر دیہاتوں کے نام چینی انداز میں رکھے گئے ہیں جیسے کہ شنگ، پٹن، مار تونگ، چِن کوئی، چِن کلی وغیرہ۔"

پشتو کا ایک معروف ضرب المثل "د مرګ نه مارتونګ خه دے" یعنی موت سے مار تونگ بہتر ہے، اس علاقے کی شہرت کا غماز ہے اور اِس کی ناموری کو اجاگر کرتا ہے۔ اس کہاوت کی کئی تشریحات بیان کی جاتی ہیں۔ ایک مشہور روایت کے مطابق، یہ کہاوت ایک ماں اور اس کے تین بیٹوں کی کہانی سے منسلک ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ ماضی میں موجودہ علاقے مار تونگ، پورن اور چکیسر، تین بھائیوں کے درمیان تقسیم ہونا تھے۔ جب تقسیم کا وقت آیا تو دو بھائیوں نے بالترتیب زرعی لحاظ سے زرخیز اور پانی کی فراوانی والے علاقے، یعنی پورن اور چکیسر، اپنے لیے منتخب کیے۔ تیسرے بھائی کے حصے میں مار تونگ آیا، جو کہ ریتلا علاقہ تھا، جہاں پانی کی قلت اور فصلوں کی کم

پیداوار تھی۔ وہ کسی قیمت پر مارتونگ لینے کو تیار نہ تھا۔ دونوں بھائیوں نے اسے دھمکی دی کہ اگر اس نے مارتونگ نہ لیا تو وہ اسے اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیں گے۔ تب ماں نے بیٹے کو سمجھایا کہ بیٹا مارتونگ لے لو کیونکہ یہ موت سے تو بہتر ہے۔ اسی بات سے یہ کہاوت مشہور ہوئی کہ "د مرگ نه مارتونګ خه دے"۔ اس کہاوت کی دوسری تشریح بھی پہلی کے مفہوم کی تائید کرتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مارتونگ جانے والے راستے دشوار گزار اور کچے تھے۔ وہاں کی زمین ریتلی اور پانی کی کمی کی وجہ سے کاشتکاری کمزور تھی۔ مارتونگ کی زندگی مشکل ضرور تھی، مگر پھر بھی موت سے بہتر تھی اور یوں یہ کہاوت رائج ہوئی کہ مارتونگ جیسا بھی ہے موت سے تو بدرجہا بہتر ہے۔

تاہم کچھ لوگ اس کہاوت کو بدل کر یوں بیان کرتے ہیں کہ "مرگ له مارتونګ خه دے" یعنی مارتونگ مرنے کے لیے بہتر ہے۔ اس کی تشریح اس طرح کی جاتی ہے کہ چونکہ مارتونگ کی زمین ریتلی ہے، اس لیے یہاں قبریں بنانا آسان ہے۔

میجر ڈبلیو۔ آر۔ ھے (پولیٹکل ایجنٹ برائے برطانوی ہند) مارتونگ کے بارے میں اپنی کتاب "مونوگرام آن سوات سٹیٹ" جو 1933ء میں شائع ہوئی، میں لکھتے ہیں کہ "اس تحصیل کا مرکز مارتونگ ہے اور مارتونگ تحصیل کے تحصیلدار کا نام سید گوہر ہے، جو ارکوٹ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِٹئ خوڑ کی وادی اس تحصیل کا حصہ ہے، جو مخوزئی اور پورن کی وادیوں کے سنگم سے کچھ فاصلے کے بعد شروع ہو کر دریائے سندھ تک پھیلی ہوئی ہے۔ مارتونگ تحصیل کے بالائی حصے پر عزی خیل آباد ہے، جبکہ زیریں حصہ بہلول خیل، نصرت خیل اور بسی خیل چغرزئ قبائل پر مشتمل

ہے۔ نصرت خیل اور بسی خیل، دونوں دریائے سندھ کے کناروں پر آباد ہیں، جن میں بائیں کنارے والے خود مختار سمجھے جاتے ہیں۔ دائیں کنارے پر واقع نمایاں علاقے، دیدل اور کماچ ہیں۔ بہار اور کابلگرام جیسے اہم دیہات بالترتیب سادات اور اخوند خیل قبائل کے زیرِ سکونت ہیں۔ نامور شخصیات میں دیدل کے مولاداد خان اور کماچ کے فیروز خان شامل ہیں۔ قلعے مارتونگ، کابلگرام اور دیدل میں قائم ہیں۔"

ایک انگریز جولز پریٹی جو ایمیریٹس پروفیسر آف انوارنمنٹ اینڈ سوسائٹی ہیں، یونیورسٹی آف ایسکس میں، جنہوں نے بیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں مارتونگ کا سفر کیا ہے، ایک کسان کے بارے میں اپنے آرٹیکل "پورٹریٹ اینڈ سٹوریز میں" میں لکھتے ہیں کہ ایک کسان کے پاس مارتونگ میں دو ایکڑ زمین ہے، جس میں سے ایک ایکڑ پر پہلے گندم اور پھر مکئی کاشت کی جاتی ہے، جبکہ دوسرا ایکڑ چاول کے لیے مختص ہے۔ حال ہی میں اس نے اپنے گھر کے قریب چھ پھلدار درخت لگائے ہیں جن میں سیب، خوبانی اور آلوچہ شامل ہیں۔ یہ پودے اس نے منگورہ سے بطور پنیری خریدے تھے اور اب یہ اچھی طرح نشوونما پا رہے ہیں۔ پچھلے تین سالوں میں وہ کل بیس درخت لگا چکا ہے۔ کچھ عرصہ قبل ایک تجارتی نرسری نے تقریباً پانچ سو پھلدار پودے مارتونگ لائے تھے لیکن وہ بہت خشک تھے اور مرجھا گئے۔ اس لیے کسان نے فیصلہ کیا کہ وہ منگورہ سے ہی پودے خریدے گا۔ اسے پھلوں سے دلچسپی اس وقت پیدا ہوئی جب اس نے منگورہ کے دورے کے دوران دکانوں میں مختلف پھل دیکھے۔

مارتونگ میں وسیع مقبروں کا معمہ مفتی کمال الدین صاحب نے مقدمے میں اٹھایا ہے۔ اس سلسلے میں عوامی سطح پر دو قسم کے نظریات گردش کرتے ہیں۔ پہلے نظریے کے مطابق، امکان ہے کہ یہاں ماضی میں دو گروہوں یا اقوام کے درمیان کوئی بڑی اور خونریز جنگ ہوئی ہو۔ ضروری نہیں کہ وہ دونوں اقوام مارتونگ کی مقامی آبادی سے تعلق رکھتی ہوں۔ ممکن ہے یہ مقام ان کے درمیان تنازعے کا مرکز بنا ہو اور وہیں جنگ چھڑ گئی ہو۔ دوسرا نظریہ مختلف وباؤں سے متعلق ہے، جسے تاریخی طور پر زیادہ قابلِ قبول اور مستند سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ تاریخ میں واضح طور پر طاعون، ہیضہ، چیچک اور دیگر مہلک بیماریوں کی کئی وباؤں کا ذکر ملتا ہے جنہوں نے اس خطے کو بری طرح متاثر کیا۔

وباؤں کے نظریے پر تنقید کرنے والے مارتونگ کی، اُس وقت کی، کم آبادی پر سوال اٹھاتے ہیں۔ یہاں ایک معزز شخص کی قابل قدر رائے بیان کی جاتی ہے۔ انجنیئر سراج الحق کاکا سے انٹرویو کے دوران جب سوال پوچھا گیا تو آپ کا جواب کچھ یوں تھا کہ "جب اس خطے کے لوگ خانہ بدوش اور قبائلی زندگی گزارتے تھے، تو مارتونگ ان کے لیے رہائش کا پسندیدہ مقام ہوتا تھا۔ مارتونگ کا موسم معتدل تھا، پانی کی کافی مقدار موجود تھی، برفباری کم ہوتی تھی، اور سردیاں بھی نسبتاً نرم ہوتی تھیں۔ گرمیوں میں یہاں کے آس پاس کے علاقوں میں زیادہ مسائل نہیں ہوتے تھے۔ ماضی میں اس علاقے میں اردگرد کے قصبوں کی نسبت خانہ بدوش قبائل کی کثرت ہوتی اور وہ یہاں زیادہ عرصے کے لیے قیام کرتے تھے۔ ان قبائل نے زمین کو آپس میں تقسیم کیا اور

1800ء کی دہائی کے وسط میں مستقل ملکیت کا سلسلہ شروع ہوا۔

اس علاقے نے خانہ بدوش دور اور اس کے بعد کے ادوار میں طاعون، ہیضہ، چیچک اور ملیریا کی کئی وبائیں دیکھی ہیں۔ چونکہ یہاں کوئی طبی سہولیات موجود نہیں تھیں، اس لیے ہر سال سینکڑوں افراد ان بیماریوں کی وجہ سے وفات پا جاتے تھے۔ جن قبروں کا آپ نے ذکر کیا ہے، ان میں سے اکثریت ان افراد کی ہے جو 1898ء اور 1903ء میں آنے والی، طاعون کی دو وباؤں اور 1934ء سے 1938ء تک جاری رہنے والی چیچک کی وبا کے دوران فوت ہوئے۔ قبائلی جنگوں اور تنازعات میں بھی کئی جانیں ضائع ہوئیں۔ ان تمام وجوہات کی بنا پر قبرستان کی آبادی تیزی سے بڑھی اور آبادی میں اضافہ 1950ء کی دہائی کے آخر تک دیکھنے میں نہیں آیا۔

ماضی میں مارتونگ کے، ایک تجارتی مرکز ہونے کے سوال پر انجنیئر صاحب نے بتایا کہ "1980ء کی دہائی کے وسط تک، پوری تحصیل کو مینگورہ سے ملانے والا صرف ایک ہی راستہ موجود تھا۔ بونیر میں بونیر چغرزئی روڈ صرف بدال تک جاتا تھا۔ ارد گرد کے لوگ جیسا کہ سینکڑئ، دریا کے اُس پار کالا ڈھاکہ کے قریبی علاقے، بہلول خیل، چغرزئی، شمال مشرق کی طرف مانگا تک کے علاقے اور شمال مغرب کی طرف مرجلے اور کڈونہ تک کے لوگ مارتونگ بازار کو ہی اپنا تجارتی مرکز بنائے ہوئے تھے۔ کیونکہ ذرائع آمد و رفت نہایت محدود اور ناکافی تھے۔ لوگ دیگر بڑے شہروں تک نہیں جا سکتے تھے، اور مارتونگ بازار مارتونگ کے گردونواح میں واقع مذکورہ علاقوں میں سے بہتر اور موزوں تھا۔

اس وقت کی سواریاں خچروں اور گدھوں پر مشتمل ہوتی تھیں، جنہیں ہم روزانہ سیکڑوں کی تعداد میں درختوں یا برآمدوں کے ستونوں کے ساتھ بندھا ہوا دیکھتے اور ان کی آوازیں سنتے تھے، جب وہ سامان لادنے کی تیاری میں ہوتے تھے۔ ان سواریوں کے مالکان میں بڑی تعداد مارتونگ کے رہائشیوں کی تھی، جبکہ کچھ افراد قریبی علاقوں کے ہوا کرتے تھے جو یہاں کام کرنے آتے تھے۔ مارتونگ کے تھوک فروش نہایت مصروف اور مالدار ہوا کرتے تھے۔ ان میں سے کچھ کے پاس ڈیزل سے چلنے والی گاڑیاں بھی تھیں تاکہ مینگورہ سے مسلسل اور بلا تعطل سامان کی فراہمی یقینی بنائی جاسکے۔ میں نے اسی مارتونگ میں پرورش پائی اور تعلیم حاصل کی۔ وہ کیا زبردست زمانہ تھا۔"

مارتونگ اپنے دور میں منطق و فلسفہ کے علوم کا روشن مینار تھا، جس کی جانب دور دراز کے طلبہ کھنچے چلے آتے تھے۔ مولانا خان بہادر مارتونگی رحمہ اللہ اور مولانا انعام اللہ مرحوم منطق اور فلسفہ کے مسلمہ ماہرین میں شمار ہوتے ہیں۔ ہمارے ڈاکٹروں کے ایک پروگرام میں ڈاکٹر امان اللہ صاحب، اس خطے کے تعلیمی، علمی اور ادبی پس منظر پر گفتگو فرما رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ کہنا درست نہیں کہ یہاں کے لوگ اب تعلیم یافتہ ہوئے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم صدیوں سے علم حاصل کرتے آرہے ہیں۔ پھر انہوں نے مجمع میں میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس بچے کے جو بزرگ تھے، وہ اس خطے کے ممتاز علما و صلحا میں شمار ہوتے تھے۔ انہیں دینی و دنیاوی علوم پر گہری دسترس حاصل تھی، بالخصوص منطق و فلسفہ پر، جو اُس دور کی سائنسی بنیاد سمجھی جاتی تھی اور آپ ان مضامین کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے۔

مارتونگ کو اگر "اولیاء کی سرزمین" کہا جائے تو یہ بے جا نہ ہوگا، کیونکہ اس خطے نے وقتاً فوقتاً کئی جید علماء، صوفیاء اور بزرگ ہستیوں کو جنم دیا ہے۔ اِن میں ایک نمایاں نام اخون سالاک المعروف اخون بابا کا ہے۔

اخون سالاک المعروف اخون بابا ایک جری مجاہد اور صاحب قلم بزرگ تھے۔ آپؒ 1578ء کو پیدا ہوئے اور 1658ء میں آپؒ کا انتقال ہوا۔ آپؒ کا مدفن مارتونگ کے علاقے کا بلگرام میں دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے۔ آپؒ نے اخون درویزہ رحمہ اللہ کی تعلیمات سے فیض پایا اور سلوک و معرفت میں سید علی ترمذیؒ المعروف پیر بابا اور اخون درویزہ نوراللہ مرقدھما دونوں کے مرید تھے۔ آپؒ کی نسل اخون خیل کہلاتی ہے، جو آج بھی بونیر، شانگلہ اور تورغر میں آباد ہے۔ یہ لوگ خود کو اخون سالاکؒ اور آپ کے بھائی اخون سباکؒ کی نسل سے سمجھتے ہیں۔ اخون سالاکؒ کا تعلق بونیر کی تحصیل "ماندنی" کے گاؤں "کوریا چملہ" سے تھا۔ آپؒ وہیں پیدا ہوئے۔ بعد ازاں انہوں نے مارتونگ کے موضع کا بلگرام کو اپنا روحانی و اصلاحی مرکز بنایا۔

پشتو کے معروف بزرگ اور صاحب دیوان شاعر حافظ الپوریؒ نے اپنے اشعار میں انہیں یوں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

اے ولي اخون سالا که
په ظاهر په باطن پاکه
مدام کړي دي غزا ده
ما نيولي لمن ستا ده

ترجمہ: اے ولی اللہ، اخون سالاکؒ صاحب! آپ ظاہراً و باطناً پاک و صاف ہیں۔ آپ نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد فرمایا ہے۔ میں نے آپ کا دامن (مضبوطی سے) تھامے رکھا ہے۔

مارتونگ کی سرزمین پر ایک اور بزرگ ہستی **باباجی بابا رحمہ اللہ** اور ان کے شاگرد آسودہ خاک ہیں۔ باباجی بابا مرحومؒ، جو مولانا لطف اللہ مرحومؒ المعروف سنگار مولوی صاحب کے جد امجد ہیں۔ کوز کلے مارتونگ کی حدود میں باباجی باباؒ کے معروف قبرستان میں مدفون ہیں۔

اسی طرح **سید عبداللہ شاہ المعروف منڈَو بابا** کا مزار مبارک، کوز بازار، کوز کلے، مارتونگ میں واقع ہے۔ آپؒ نے انیسویں صدی کے اوائل میں سکھوں کے خلاف جہاد میں شاہ اسماعیل شہیدؒ کی معیت میں لڑتے ہوئے نوشہرہ کے محاذ پر شہادت پائی۔ مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ کی شہرۂ آفاق تصنیف سیرتِ سید احمد شہید، جلد دوم کے اڑتیسوَیں باب "برڈھیری سے راج دواری تک" میں ایک واقعہ کا ذکر موجود ہے۔ اس باب میں بیان کیا گیا ہے کہ جب سید احمد شہید رحمہ اللہ اپنے قافلے کے ہمراہ کابلگرام، مارتونگ تشریف لائے، تو آپؒ نے بالاکوٹ کی جانب روانگی کے لیے اس دشوار گزار راستے کا انتخاب فرمایا گیا تھا۔

یہ قافلہ پہلے "برڈھیری" سے روانہ ہو کر "برندو" پہنچا۔ وہاں سے بلند و بالا "پیواڑ" پہاڑ پر چڑھائی کی گئی، جس کے بعد موضع "کرنا" میں قیام کیا گیا۔ آخرکار قافلہ "کابلگرام" پہنچا۔ یہ علاقہ سردیوں کی شدت میں گھرا ہوا تھا۔ رات کو وہاں ایک جگہ آگ روشن کی گئی، جس کے پاس سید احمد شہید رحمہ اللہ نے اپنے دست و پا تاپے۔ یہ شعبان کا مہینہ، 1246ھ بمطابق 1831ء تھا۔

مارتونگ خاص میں، انگرو بابا بھی ماضی میں مقیم رہے۔ آپؒ انگرو بابا کے نام سے موسوم معروف قبرستان میں آسودہ خاک ہیں۔

مارتونگ کے قریبی علاقے چغرزئ میں اٹھارویں صدی کے اوائل کے صوفی بزرگ **محمدؒ**، اس کے بیٹے **پیر طریقت سید محمدؒ** اور نواسے **علامہ میر محمدؒ** کی یادیں بحمد اللہ آج بھی زندہ و تابندہ ہیں۔ انیسویں صدی کے آخری اور بیسویں صدی کے ابتدائی دور میں ایک ممتاز عالم دین **صاحبزادہ غلام اکبر بہاریؒ** اس خطے کی علمی و روحانی فضا کی رونق رہے۔

مولانا محمد کبیر مارتونگیؒ جنہوں نے معروف کتاب الحسامی کی شہرہ آفاق شرح الدر السامی تصنیف کی، جو علمی حلقوں میں "شرح مارتونگی" کے نام سے پہچانی جاتی ہے، کوزکلے مارتونگ میں مقیم تھے۔ آپؒ نے دارالعلوم منہاج العلوم سے تعلیم حاصل کی۔ آپؒ کے مفصل حالات تاریخ کے اوراق میں محفوظ نہ رہ سکے۔ موصوف مذکور کوزکلے، مارتونگ کے اسی مکان میں مقیم تھے، جو بعد ازاں مفتی کمال الدّین المسترشد زید مجدہم کے والد مرحوم کے زیر ملکیت آیا۔

فضل احد باباجیؒ بن گل سیدؒ بن تراب باباجیؒ کا تعلق یوسف زئ قبیلے میں خاص اسماعیل خیل قبیلے سے تھا۔ آپ نہ صرف ایک صوفی بزرگ تھے بلکہ ایک قادر الکلام شاعر اور دینی پیشوا بھی تھے، جن کی شخصیت علم و عرفان، زہد و تقویٰ اور سادگی کا حسین امتزاج تھی۔ آپ کے اسلاف کا تعلق تپہ (اصل لفظ طبقہ ہے جس سے مراد قبیلہ ہے) اسماعیل خیل سے تھا، جو کسی وقت عالمی بانڈہ کی جانب ہجرت کر کے یہاں آباد ہوئے۔ باباجیؒ کو ان کی روحانی نسبت، اخلاقی عظمت اور

علمی ورثہ بطورِ فیض میسر آیا۔ آپؒ کا ایک نایاب منظوم نسخہ، جو صوفیانہ اشعار پر مشتمل ہے، آج بھی آپ کی اولاد کے پاس محفوظ ہے۔ یہ نہ صرف آپؒ کے فکری جہان کی جھلک پیش کرتا ہے، بلکہ آپؒ کی روحانی رفعت کا گواہ بھی ہے۔ آپؒ کے جدِ امجد تراب باباجیؒ بھی ایک جلیل القدر صوفی بزرگ تھے۔ ڈیڑھ سو برس پہلے آپ نے قرآن مجید کا ایک مکمل نسخہ اپنے ہاتھ سے تحریر کیا، جس کے لیے کاغذ اور سیاہی بھی خود تیار فرمائی۔ آپ سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ، شیخ یحیٰ اٹکی المعروف حضرت جی صاحبؒ کے مریدِ خاص تھے، جنہوں نے آپؒ کو "شیخ" کا لقب عطا فرمایا۔ حضرت جیؒ کے حکم پر آپ نے تپہ اسماعیل خیل کی جاگیر کو خیرباد کہا اور عالمی بانڈہ میں مستقل سکونت اختیار کی، جہاں سے علم و عرفان کے چشمے جاری ہوئے۔ فضل احد باباجیؒ کے فرزند، **مولانا عبدالروف مرحومؒ**، 1339ھ بمطابق 1920ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ہندوستان کا رُخ کیا اور وہاں جید علما کی صحبت اختیار کی۔ علم دین کے ساتھ ساتھ فنِ حکمت میں بھی کمال حاصل کیا، یہاں تک کہ آپ نے حکیم اجمل خان جیسے طبیبِ حاذق کی شاگردی میں مہارت حاصل کی۔ وطن واپس آکر درس و تدریس اور حکمت کے میدان میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ آپ کے وصال کے بعد یہ گدی آپ کے صاحبزادے، مولانا حکیم ولی اللہ نے سنبھالی، جو آج بھی حکمت کی دنیا میں ایک معتبر اور معروف نام کے طور پر جانے جاتے ہیں۔

فضل احد باباجیؒ کے بھائی، **حسن باباجیؒ**، بھی ایک بلند پایہ عالم دین تھے۔ آپؒ نے عالمی بانڈہ سے ہجرت کر کے شیر گڑھ مردان کو اپنا مسکن بنایا۔ یہ ہجرت محض جغرافیائی نہ تھی، بلکہ دینِ مبین کی

سربلندی کے لیے ایک شعوری فیصلہ تھا۔ آج ان کا خانوادہ علمی، روحانی اور سماجی حیثیت سے ایک ممتاز مقام رکھتا ہے۔ حسن باباجیؒ کے صاحبزادے، **مولانا محمد احمد رحمہ اللہ**، سنہ 2009ء میں 89 برس کی عمر میں وفات پا گئے۔ وہ نہایت متقی، عالمِ ربانی اور بزرگ شخصیت کے حامل تھے۔ ان کے فرزند، **مولانا محمد قاسم** سابق رکن قومی اسمبلی، اپنے والد کے قائم کردہ دارالعلوم کے مہتمم اور شیخ الحدیث ہیں۔ یوں علم، خدمتِ خلق، اور روحانیت کا یہ چراغ آج بھی فروزاں ہے۔

ایک اور جلیل القدر بزرگ **شمس العلماء مولانا صفی اللہ داداجیؒ** تھے، جنہوں نے فلسفیانہ، روحانی، تبلیغی اور تدریسی میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ آپؒ کی ولادت 1870ء میں ریاست سوات کی تحصیل مارتونگ کے مقام توربانڈہ میں ہوئی۔ آپؒ کے والد **شاہ صوفی عبد الرحمٰن المعروف جواد شاہؒ** ایک جلیل القدر بزرگ اور ولی اللہ تھے۔ مولانا صفی اللہ مرحوم بعد ازاں ہندوستان تشریف لے گئے اور وہاں مشہور شہر کلکتہ موجودہ کولکتہ، مغربی بنگال کو اپنا دینی و اصلاحی مرکز بنا دیا۔ جہاں آپ مدرسہ عالیہ کلکتہ (موجودہ کولکتہ) کے سربراہ مقرر ہوئے۔ یہ مدرسہ آج کل عالیہ یونیورسٹی کہلاتا ہے۔ مغربی بنگال میں آپ داداجی کے لقب سے معروف ہوئے۔ آپؒ کا وصال 1948ء میں ہوا۔ شہرہ آفاق بزرگ، ولی کامل مولانا خان بہادر مارتونگیؒ نے اپنے آبائی وطن لوٹنے سے قبل مغربی بنگال میں داداجی رحمہ اللہ سے ملاقات فرمائی تھی۔ بقولِ مارتونگ باباجیؒ، میں اُن کے ہاں حاضری کے لیے گیا اور ملاقات کی درخواست کی، لیکن باہر کا دروازہ بند تھا۔ دروازے پر کھڑے ایک شخص نے بتایا کہ "داداجی اس وقت کسی سے ملاقات نہیں کرتے"۔

میں نے ایک تعارفی پرچہ لکھ کر اُس شخص کے حوالے کیا اور کہا کہ یہ حضرت کی خدمت میں پہنچا دیں۔ جب وہ پرچہ اُن تک پہنچا تو دادا جی فوراً باہر تشریف لے آئے۔

اُنہیں دیکھ کر باہر کھڑے تمام لوگ احتراماً جھک گئے۔ اس پر دادا جی نے مارتونگ بابا جی سے فرمایا کہ دیکھئے مارتونگی صاحب! دروازہ اسی لیے بند رکھا جاتا ہے کہ یہ لوگ اپنے رویّے سے مجھے گناہگار کر دیتے ہیں۔ پھر اُنہوں نے حاضرین کو تلقین فرمائی کہ آئندہ ایسا نہ کریں۔ اس کے بعد میں کچھ دیر اُن کی خدمت میں بیٹھا رہا، پھر اجازت لے کر رخصت ہوا۔

مولانا صفی اللہ مرحومؒ کے بڑے صاحبزادے **مولانا عبدالغفور نور اللہ مرقدہ المعروف بڑے بھیا صاحب** کی پیدائش 1905ء میں کلکتہ میں ہوئی۔ آپؒ بھی ایک ممتاز صوفی کے طور پر معروف و مشہور تھے۔ مولانا عبدالغفورؒ کا وصال 4 مارچ 1995ء کو ڈھاکہ میں ہوا۔ آپؒ کے چھوٹے بھائی **علامہ ضیاء الحق قطب الدین** ممتاز مصنف، سکالر اور "ساوتھ ایسٹ یونیورسٹی" میں اسلامیات کے پروفیسر تھے۔ علامہ ضیاء الحق قطب الدین صاحب کا دو سال پہلے انتقال ہو چکا ہے۔

ڈھاکہ میں مؤلف کا رابطہ بذریعہ واٹس ایپ مولانا صفی اللہ دادا جی کے ایک عقیدت مند، جس کا نام توقیر حیدر ہے، سے ہوا، جس نے مولانا صفی اللہ دادا جی اور ان کے بیٹے "بڑے بھیا" پر لکھی گئی سوانح بھیجیں اور اس خاندان کے حالات و احوال بیان کیے۔ توقیر صاحب نے فرمایا کہ ہمارا خاندانی تعلق کلکتہ سے ہے، تاہم 1948ء سے ہم ڈھاکہ میں مقیم ہیں۔ میرے پر دادا، دادا جیؒ کی خدمت میں دعاؤں اور برکتوں کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے اور تب سے لے کر آج تک ہمارا یہ

تعلق بر قرار ہے۔ ہم دادا جیؒ یا بڑے بھیا کے خانوادے سے تو نہیں ہیں لیکن 1938ء سے ہم ان کے ساتھ وابستہ ہیں۔ مؤلف اس احسان پر توقیر حیدر صاحب کے بے حد ممنون و مشکور ہیں۔

مارتونگ کی سر زمین کے روحانی خانوادے سے تعلق رکھنے والے والے ایک اور بزرگ **مولانا شیر بہادر خان رحمہ اللہ**، جو مارتونگ بابا جیؒ کے چچا تھے، معروف عالم دین تھے۔ آپؒ کے صاحبزادے مولانا امان اللہ مرحوم رحمہ اللہ بھی دینی علوم خاص طور منطق اور فلسفہ میں کامل دسترس اور اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔

مولانا ولی اللہ کا بلگرامی ایک جید و نامور عالم دین تھے، جو اپنے حلقۂ احباب و متعلقین میں نہایت عزت و مقبولیت کے حامل تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی بے پایاں رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے مرقد کو نور سے بھر دے۔

مولانا ابو الکلام ازہری صاحب بہار، مارتونگ کے ایک جلیل القدر اور جامع العلوم عالمِ دین گزرے ہیں۔ آپ کی ولادت سنہ 1947ء میں گاؤں دیدل کماچ میں ہوئی۔ آپؒ نے جامعہ ازہر، مصر سے فراغت حاصل کی تھی۔ آپ نے تعلیم متعدد جلیل القدر اساتذہ کرام سے حاصل کی، جن میں مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ، مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ، قاضی شمس الدین گجرانوالہ، شیخ عبد الرحمن الازہری (مصر)، شیخ عبد الودود شلبی رحمہ اللہ (مصر) اور مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمہ اللہ شامل ہیں۔ مفتی ابو الکلام عبد الرحمن ازہری جامعہ ربّانیہ، ریلوے اسٹیشن ہری پور کے صدر مدرس رہ چکے ہیں۔ مزید بر آں، آپ شیخ الحدیث کی حیثیت سے جامعہ

اسلامیہ تعلیم القرآن الوچ پورن ضلع شانگلہ اور جامعہ خدیجۃ الکبریٰ حصار ڈگر ضلع بونیر میں تدریسی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ آپ کا وصال 16 اکتوبر 2013ء کو ہوا۔ آپؒ نے صحیح بخاری کی شرح تحریر کی تھی، جو اُن کی زندگی میں شائع نہ ہو سکی۔

صاحبزادہ علی اکبر رحمہ اللہ، جو مولانا انعام اللہ باباجیؒ کے چچازاد بھائی تھے، ایک بلند نسبت اور علمی وراثت کے حامل فرد تھے۔ وہ سید اکبر کے فرزند تھے، جبکہ سید اکبر، مولانا انعام اللہ کے والد محترم، غلام اکبر کے بڑے بھائی تھے۔ صاحبزادہ علی اکبر نے اپنی اعلیٰ دینی تعلیم ٹونک کی عظیم علمی فضا میں مکمل کی۔ تعلیم کے بعد وہ اپنے شاگردوں کے ہمراہ نوابِ ٹونک کے ساتھ رہنے لگے۔ وضع قطع میں نفاست کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ شیروانی زیبِ تن کیے رکھتے اور اہل علم و ادب میں "صاحبزادہ" کے لقب سے پہچانے جاتے۔ کچھ عرصہ بعد آپ ایک خاص مشن پر ریاست چین کی جانب روانہ ہوئے، جہاں ان کی علمی قابلیت اور حسنِ تدبیر سے متاثر ہو کر حکومتِ چین نے انہیں ایک نہایت اہم منصب پر فائز کر دیا۔ علی اکبر صاحب نے وطن واپسی کی، مگر چین سے پے در پے خطوط موصول ہونے لگے کہ جو خدمت آپ انجام دے رہے ہیں، اس کا نعم البدل ہمیں میسر نہیں۔ چنانچہ آپ اپنے عزم و اخلاص کے ساتھ دوبارہ چین لوٹ گئے۔ افسوس کہ 1922ء میں چین میں طاعون کی مہلک وبا پھیل گئی اور یہی وبا ان کی جان لے گئی۔ وہیں سرزمینِ غیر میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔ ان کے بھائی، جب علی اکبر صاحب کی خیریت معلوم کرنے چین پہنچے، تو حکومتِ چین نے نہ صرف انہیں ان کے مرحوم بھائی کا منصب پیش کیا بلکہ مالی اعانت

کی بھی پیشکش کی۔ مگر انہوں نے نہایت وقار سے جواب دیا کہ میں یہاں صرف اپنے بھائی کی خیریت معلوم کرنے آیا ہوں، نہ کہ کسی عہدے یا دولت کا خواہاں ہوں۔ یوں آپ خاموشی سے وطن واپس لوٹ آئے۔ علی اکبر کے ایک اور بھائی مولانا خیر الامان صدیقی نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد دارالعلوم سہارنپور، انڈیا میں دو سال تدریسی خدمات انجام دیں۔ بعد ازاں آپ اپنے گاؤں نصرت خیل ڈیرئ تشریف لائے۔ کچھ عرصہ بعد مارتونگ کے سرکاری سکول میں معلم دینیات کی حیثیت سے آپ کی تقرری عمل میں آئی۔ اس کے بعد مارتونگ سے آپ کا تبادلہ کابلگرام ہوا۔ یہیں پر آپ کی وفات ہوئی۔ رحمہ اللّٰہ رحمةً واسعةً۔

مارتونگ کے رجال کا تذکرہ چل پڑا ہے تو اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مارتونگ باباجیؒ کا ذکر خیر کیا جائے اور انہیں خراج عقیدت پیش کیا جائے۔

مولانا خان بہادر مارتونگی رحمۃ اللہ علیہ جو مارتونگ باباجی کے نام سے معروف ہیں، ایک باوقار اور موثر مذہبی شخصیت تھے۔ کسے معلوم تھا کہ پختون قبیلہ نصرت خیل کی ذیلی شاخ حیدر خیل، بیخان خیل سے نسبی تعلق رکھنے والا یہ طفلِ مکتب آئندہ علوم نبوت کے آسماں کا روشن ستارہ بننے والا ہے۔ جیسے دنیا علامہ خان بہادر مارتونگی کے نام سے یاد کرے گی اور چار دانگ عالَم کے علمی حلقوں میں آپؒ کا شہرہ ہوگا۔ ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشآء۔

آپ رحمہ اللہ نے سینکڑوں طلبہ کی علمی وروحانی پیاس بُجھائی اور ان کی دینی اصلاح فرمائی۔ آپؒ کے فیض یافتہ گان کا حلقہ پورے برصغیر، ایران، افغانستان اور وسطی ایشیائی ریاستوں تک پھیلا

ہوا تھا۔ اُس دور میں مارتونگ کو نہ صرف ریاست سوات بلکہ پورے خطے میں دینی علوم کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ جہاں برصغیر، ایران، افغانستان وغیرہ خطوں سے طلبہ علم کے حصول کے لئے یہاں کا رخ کرتے تھے۔ مارتونگ کی یہ علمی وروحانی حیثیت ایک زندہ جاوید حقیقت ہے۔ ایک دلچسپ روایت کے مطابق کوز کلے، مارتونگ کے مرکزی بازار کے قریب ایک غیر معروف قبر موجود ہے، جس میں وسطی ایشیائی ریاست ازبکستان کے شہرہ آفاق علاقے بخارا سے تعلق رکھنے والے ایک دینی طالب علم مدفون ہیں۔ مذکور طالب، مارتونگ باباجیؒ مرحوم کے شاگرد تھے اور دورانِ تعلیم وفات پا گئے تھے۔ اللہ تعالی انہیں غریق رحمت فرمائے۔ آمین۔

مارتونگ باباجیؒ کی ولادت 1898ء اور وفات 22 جولائی 1976ء کو ہوئی۔ آپؒ کی زندگی پر فضل محمود روخان سواتی کی تصنیف "مارتونگ باباجی کی کہانی خود ان کی زبانی" قابل قدر اور مستند کتاب ہے، جو اہل ذوق، عقیدت مند قارئین کے لئے نہایت قابل مطالعہ ہے۔ یہ کتاب باباجی مرحوم کے عظمت ومقام کو خوش اسلوبی سے اجاگر کرتی ہے۔

ناظرین کی خدمت میں یہ گزارش ہے کہ مارتونگ باباجیؒ کو پہلے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ ملا تھا، جو اس وقت برصغیر کا عظیم علمی مرکز تھا۔ لیکن قدرت کا کچھ اور ہی فیصلہ تھا۔ دیوبند کی آب وہوا سے مارتونگ باباجیؒ کو الرجی ہوگئی۔ چنانچہ کسی کے مشورے سے آپؒ امروہہ تشریف لے گئے۔ وہاں آپؒ نے علم کا سلسلہ جاری رکھا اور بالآخر وہیں سے باقاعدہ فراغت حاصل کی۔ امروہہ میں آپؒ کے استاذ محترم مولانا عبدالرحمن امروہیؒ تھے، جن سے آپؒ نے استفادہ کیا۔

تاریخی لحاظ سے یہ بات بہت اہم ہے کہ 1917ء میں جب مولانا خان بہادرؒ صرف بیس برس کی عمر میں ہندوستان سے اپنے وطن واپس لوٹ آئے تو بقول حضرت مارتونگیؒ اُس وقت آپ کی داڑھی نئی نئی اُگنا شروع ہوئی تھی۔ اس کے تین چار سال بعد باباجی مولانا انعام اللہ مرحوم نے تعلیم کے حصول کے لئے ہندوستان کا رخ کیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مارتونگ باباجیؒ نے کم عمری میں جبکہ مولانا انعام اللہ نوراللہ مرقدہ نے قدرے تاخیر سے دینی تعلیم مکمل کرلی تھی۔

بزرگوں سے منقول ہے کہ مولانا انعام اللہ مرحوم کے چچا اکثر آپؒ کی والدہ صاحبہ سے شکایت کرتے کہ لڑکا اسباق میں دلچسپی نہیں لے رہا ہے، لیکن بحمد اللہ اپنی والدہ صاحبہ کی ہمت، دعا اور مسلسل کوششوں سے آپؒ نے انجام کار دینی تعلیم کی تکمیل فرمائی اور نامور علمائے کرام میں شمار ہونے لگے۔

بادشاہِ وقت نے ان کی علمی عظمت و قابلیت سے فائدہ اٹھانے کے لیے "دارالعلوم حقانیہ، سیدو شریف" کے قیام کا فیصلہ فرمایا۔ 15 جنوری 1945ء کو اِس عظیم علمی ادارے کے پہلے صدرِ مدرس کی حیثیت سے آپؒ کا تقرر عمل میں آیا۔ آپؒ نے طویل عرصہ تک تدریس و انتظام کی عظیم ذمہ داریاں نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیں، یہاں تک کہ 20 اکتوبر 1970ء کو ضعف و نقاہت کے باعث آپؒ نے یہ منصب ترک کر دیا اور مارتونگ واپس آگئے۔ یہ ادارہ آج "گورنمنٹ دارالعلوم اسلامیہ، سیدو شریف" کے نام سے معروف ہے اور علم کے فروغ میں اپنا تسلسل برقرار رکھے ہوئے ہے۔

اس تحریر میں ذکر کردہ اہل علم و فضل کے علاوہ مولانا لطف اللہ مارتونگیؒ (المعروف سنگار مولوی صاحب)، مولانا رشید احمدؒ، مولانا امان اللہؒ اور مولانا حبیب الرّحمٰنؒ بھی، مارتونگ کے بیسویں صدی کے ممتاز علمائے کرام میں شمار ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا لطف اللہ المعروف سنگار باباجی رحمہ اللہ بروز جمعرات، 27 جمادی الثانی 1343ھ بمطابق 22 جنوری 1925ء کو مارتونگ میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کا تاریخی نام ظفر الاسلام تھا۔ "دارالعلوم کراچی" سے سندِ فراغت حاصل کی۔ حضرت مفتی اعظم پاکستان، مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ علیہ نے آپؒ کی ذہانت اور علمی برتری کو دیکھتے ہوئے آپؒ کو جامعہ میں منصبِ تدریس پر فائز فرمایا، اور پہلے ہی سال مشکاۃ شریف آپؒ کے حوالے کر دی۔ آپؒ 1950ء سے 1958ء تک "دارالعلوم کراچی" میں تدریسی خدمات بخوبی انجام دیتے رہے۔ مفتی اعظم پاکستان بانی دارالعلوم ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ بعد ازاں، والدہ ماجدہ کی بیماری کے باعث آپؒ اپنے آبائی گاؤں مارتونگ تشریف لے گئے۔ جب اُس وقت کے ولی عہدِ سوات نے آپؒ کی علمی قابلیت کو دیکھا، تو آپؒ کو ریاست سے باہر جانے سے منع فرمایا اور آپؒ کو علاقے ہی میں خدمات انجام دینے کی پیشکش کی گئی۔ آپؒ مارتونگ ہائی سکول میں معلم اردو رہے۔ آپؒ مارتونگ کے نصاب تعلیم کے پیش رو ہیں۔ نیز "دارالعلوم نشر العلوم" سے وابستہ ہو کر درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہ مدرسہ، علامہ خان بہادر مارتونگیؒ کا قائم کردہ ادارہ تھا، جہاں مولانا قاضی انعام اللہؒ، مولانا رشید احمد مارتونگیؒ، اور مولانا امان اللہ مارتونگیؒ بھی تدریسی خدمات سرانجام دے چکے تھے۔ آپؒ کو

تصوف سے بھی گہرا تعلق حاصل تھا۔ اخلاق حسنہ کا پیکر اور نمونہ اسلاف تصوف میں حضرت مامون یوسف زئی کے سلسلے میں جانشین تھے۔ علم و فضل کے بلند مقام پر فائز تھے۔ آپؒ جید عالم دین اور معقولات و منقولات دونوں کے جامع عالم تھے۔ آپؒ کی مہارتِ خاص ریاضی، علم میراث، اقلیدس اور فلکیات میں تھی۔ آپؒ کا وصال 9 اگست 2009ء کو اپنے آبائی گاؤں مارتونگ میں ہوا۔ سندوی پورن سے تعلق رکھنے والے معروف عالم دین پیبنور مولوی صاحبؒ نے آپؒ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

مولانا رشید احمد مارتونگی رحمہ اللہ، علامہ خان بہادر مارتونگیؒ کے خلف الرشید اور سچے جانشین تھے۔ آپؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ بعد ازاں اپنے عصر کے جلیل القدر علما و مشائخ سے اکتسابِ علم کرکے علومِ شریعت میں بلند مقام پایا۔ اپنے وقت کی نابغۂ روزگار شخصیات میں آپؒ کا شمار ہوتا تھا۔ والد گرامی حضرت مارتونگ باباجی رحمہ اللہ کی مسندِ تدریس کو سنبھال کر آپؒ نے علمی دنیا میں بلند مقام حاصل کیا اور اہلِ علم کے درمیان نمایاں حیثیت اختیار کی۔ صوبہ خیبر پختونخوا میں آپؒ کی علمی فضیلت ضرب المثل تھی۔ آپؒ نے اپنے والد کی مانند علومِ عقلیہ و نقلیہ میں مہارت حاصل کی، اور تاحیات درس و تدریس کے میدان میں فعال رہے۔ آپؒ کے حلقہ درس میں بالخصوص علم منطق کے تشنگانِ علم کا ہجوم رہتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو فطری ذہانت، گہری بصیرت اور غیر معمولی استعدادی قوت سے نوازا تھا۔ آپؒ رموز و اسرارِ علم کے شناور، اور اپنے زمانے کے بحرِ بیکراں تھے۔ علمی گفتگو میں آپؒ کا

اسلوب نہایت فصیح و بلیغ ہوتا۔ مسائل پر اس قدر جامع انداز میں گفتگو کرتے کہ تمام شکوک و شبہات از خود رفع ہو جاتے۔ آپؒ نے "دارالعلوم نشر العلوم" مارتونگ میں اپنے والد کے علمی جانشین کی حیثیت سے فرائض سنبھالے اور درس و تدریس کی وہی روشن روایت برقرار رکھی۔ آپؒ کے تلامذہ کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ شمار ممکن نہیں۔ ان میں مولانا عبدالمنان کوہستانی، سابق مدرس جامعہ عربیہ دلبوڑئی، بھی شامل ہیں۔ مولانا رشید احمد صاحب نے پشتو زبان میں ایک شرح تحریر فرمائی، جو اس کتاب کی نہایت عمدہ اور مستند شرح شمار کی جاتی ہے۔ مولانا رشید احمد کا وصال بروز پیر، یکم رمضان المبارک 1416ھ، بمطابق 22 جنوری 1996ء، بمقام کبل آنکھ کے اپریشن کے کچھ دیر بعد ہوا۔ آپؒ کا مرقدِ مبارک مارتونگ کے آبائی قبرستان میں واقع ہے، جہاں آپؒ کے والد، علامہ خان بہادر مارتونگی رحمہ اللہ بھی مدفون ہیں۔

مولانا حبیب الرحمن رحمہ اللہ 6 جنوری 1934ء کو بہار مارتونگ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم مولانا قاضی انعام اللہؒ اور زمانے کے اور جیّد علمائے کرام سے حاصل کی۔ اپنے والد گرامی کے ساتھ 1940ء کی دہائی میں منز کلے مارتونگ ہجرت کی۔ آپؒ نے دارالعلوم حقانیہ، سیدو شریف، سوات میں علم و تفسیر، احادیث، عقائد، فقہ و اصول فقہ، معانی، منطق و فلسفہ، نحو، آدب کے 22 اسباق پڑھے اور وہاں آپؒ علامہ خان بہادر مارتونگی کے شاگرد رہے۔ پھر کراچی کا رخ کیا اور وہاں مظہر العلوم، کڈھ کراچی سے 29 ذوالقعدہ 1379ھ بمطابق 1960ء میں علوم نبوی سے فراغت حاصل کی۔ وفاق المدارس ملتان کی سند شعبان 1380ھ بمطابق 1961ء میں

حاصل کی جس پر وفاق المدارس کے اس وقت کے صدر مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ اور ناظم اعلیٰ وفاق، مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کے دستخط ثبت ہیں۔ آپؒ فقہ میں نہایت بصیرت کے مالک تھے اور مشکل سے مشکل فقہی مسائل کو اپنے عمیق علم و فہم کی روشنی میں صحیح طریقے سے حل فرماتے تھے۔ مفتی کمال الدین المسترشد نے نقل کیا ہے کہ میرے تایا حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمہ اللہ کا شمار طالب علمی کے زمانے میں ذہانت کے حامل طلبہ میں ہوتا تھا۔ حضرت علامہ محمد یوسف بنوری صاحب رحمہ اللہ نے مختصر المعانی میں ان کا داخلہ امتحان لیا تو بہت ہی خوش ہوئے تاہم جو الفاظ مدح ان کے لئے استعمال فرمائے تھے میں اگر وہ نقل کروں تو شاید بہت سے پڑھنے والے اسے نقل صحیح بھی نہ مانیں۔ آپؒ مارتونگ ہائی سکول میں معلم دینیات رہے اور وہاں سے 6 جنوری 1994ء میں ریٹائر ہوئے۔ آپؒ کا انتقال بروز ہفتہ، 15 رجب 1424ھ بمطابق 13 ستمبر 2003ء میں ہوا۔ آپؒ کے بارے میں کچھ تفصیل حسب حال مولانا انعام اللہؒ کے تلامذہ کے زمرے میں گزر چکی ہے۔

مولانا امان اللہ مارتونگی رحمہ اللہ، امام العصر علامہ خان بہادر مارتونگی رحمہ اللہ کے عم زاد بھائی تھے۔ آپؒ سنہ 1937ء میں مارتونگ کے ایک دینی اور علمی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں ہی میں حاصل کی، جہاں دین کی ابتدائی شمع آپؒ کے قلب و ذہن میں روشن ہوئی۔ بعد ازاں اعلیٰ دینی تعلیم کے حصول کے لیے سوات کا سفر اختیار کیا۔ سوات میں آپؒ نے نہ صرف اپنے مشہور و معروف عم زاد بھائی اور روحانی و علمی شخصیت علّامہ خان بہادر مارتونگی رحمہ

اللہ سے فیض حاصل کیا، بلکہ وقت کے جلیل القدر علمائے کرام کی صحبتوں سے بھی مستفید ہوئے۔1958ء میں آپؒ نے جامعہ حقانیہ سوات سے فراغت حاصل کی۔ علم کے اس خزانے کو لے کر آپؒ واپس اپنے وطن مارتونگ تشریف لائے، جہاں تادمِ واپسیں تدریس اور اشاعتِ دین میں مصروف رہے۔ آپؒ علم و فضل کے سمندر، تقویٰ وطہارت کے پیکر اور منطق و فلسفہ کے فن میں یگانۂ روزگار تھے۔ خاص طور پر حکمت و فلسفہ میں آپؒ کو دسترس حاصل تھی، جس کی بدولت طلبہ دور دور سے آکر آپؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے اور علمِ حکمت سے سیراب ہوتے۔10 اپریل 2010ء کو آپؒ کا انتقال رسالپور میں ہوا۔ آپؒ کے جسدِ خاکی کو مارتونگ لایا گیا، جہاں آپؒ کی تدفین آپؒ ہی کے بزرگ و مربی، علامہ خان بہادر مارتونگی رحمہ اللہ کے پہلو میں کی گئی۔ آپؒ کی زندگی سراپا علم و عمل کا آئینہ تھی، جو دین کی خدمت، طلبہ کی تربیت اور امت کی رہنمائی میں بسر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپؒ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

عصر حاضر میں باباجی مولانا انعام اللہ مرحوم کے پوتے **مولانا کمال الدین المسترشد مدظلہم** مارتونگ سے تعلق رکھنے والے جلیل القدر عالم دین ہیں جو قرآن و حدیث اور فقہ پر یکساں عبور رکھتے ہیں۔ **مولانا عنایت اللہ خان**، شیخ الحدیث دارالعلوم احسن العلوم، کراچی، مارتونگ کے موجودہ اہلِ علم میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ آپ کی جائے پیدائش بیڑ، مارتونگ، ضلع شانگلہ ہے۔ آپ 1960ء میں پیدا ہوئے۔ مولانا، جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی کے فاضل ہیں اور ایک عرصے سے علم حدیث کی تدریس سے وابستہ ہیں۔

اِن اہل علم کے علاوہ **<u>مولانا محمد انور شاہ المعروف مَیرے مولوی صاحب</u>** بھی خطۂ مارتونگ کے ایک ممتاز عالم دین کے طور پر جانے جاتے ہیں۔وہ علمی وروحانی خدمات میں پیش پیش ہیں اور اپنے حلقۂ متعلقین میں عزت ووقار کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

مولانا انعام اللہ مرحوم کا شجرہ نسب

جلیل القدر عالم دین اور بزرگ شخصیت حضرت مولانا انعام اللہ باباجی رحمہ اللہ کے جد امجد **علاؤ الدین قریشی رحمہ اللہ** ہیں۔ علاؤ الدین قریشی رحمہ اللہ کا آبائی وطن خدو خیل، صوابی، کے پی کے کا علاقہ "پر ملی" نامی گاؤں ہے۔ موصوف ایک بلند پایہ عالم دین، جو کہ عبادت گزار، اہل اللہ اور متقی بھی تھے۔ ادین قریشیؒ کے نام سے معروف و مشہور تھے۔ اصل نام علاؤ الدین تھا۔ آپ رحمہ اللہ کے آباؤ اجداد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نسبی تعلق رکھتے تھے۔ یعنی آپؒ کا سلسلہ نسب خلیفہ اوّل سے جا کر ملتا ہے۔ ادین قریشیؒ کے دو بیٹے تھے۔ اوّل موسیٰ دوم سلطان۔

موسیٰ رحمہ اللہ نے علم دین حاصل کیا۔ ہر علم و فن میں نہایت مہارت رکھتے تھے۔ آپؒ کی اقبال مندی اور سعادت مندی کا ستارہ اوجِ کمال پر تھا۔ یہاں تک کہ علوم نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں اعلیٰ و ارفع مقام پر پہنچ گئے۔ چنانچہ انہوں نے تبحرّ علمی حاصل کیا۔ بلا مبالغہ تمام ہندوستان و خراسان میں ایک اہل علم ایسا نہ تھا جو ترازوئے علم میں اُن کے مساوی ہو جائے۔ مزید بر آں آپؒ معیار تحریر میں یکتائے روزگار اور نہایت اعلیٰ خوش نویس تھے۔ کتابتِ کتب و مضامین دینیہ میں مہارت تامّہ رکھتے تھے۔ نیز نہایت ذہین، فہیم، بزرگ عالمِ دین اور صاحب کرامت شخصیت تھے۔ چنانچہ اُس دور میں دور دور تک اکثر و بیشتر جیّد علمائے کرام آپؒ کے تبحرّ علمی پر انگشت بدنداں، متعجّب و حیران رہتے، اپنی مجالس علمیہ میں آپؒ کی وسیع علمیت پر بحث و تحمیص کرتے

اور فرماتے کہ یہ عالم دین جس کتاب کا درس دیتے ہیں، اُس میں اتنی مہارت تامّہ رکھتے ہیں کہ گویا انہوں نے تمام عمر اِسی ایک کتاب کا مطالعہ اور درس و تدریس فرمایا ہے۔ آپ رحمہ اللہ نے تقدیری اسباب کی بناء پر سمہ کے علاقے "بام خیل" میں سکونت اختیار کرلی۔ آخر کار اس شہر بام خیل میں انتقال فرماگئے۔ آپؒ کا مدفن بام خیل کے پرانے "مرغز" مقبرہ میں موجود اور معروف و مشہور ہے۔

موسٰی بن ادین قریشی کے چار فرزند تولد ہوئے۔ اوّل شیر محمد، دوم شاہ محمد، سوم محمد، چہارم حافظ گل محمد۔ چونکہ مولانا انعام اللہ باباجی موسٰی بن ادین قریشی کے صاحبزادگان میں تیسرے بیٹے محمدؒ کی اولاد سے ہیں، اس لئے محمد باباجیؒ کے حالات کی قدرے تفصیل تحریر کی جاتی ہے۔

محمد رحمہ اللہ ایک متبحر عالم دین تھے۔ محمدؒ کے بام خیل میں قیام کے دوران ایران کی طرف سے نادر شاہ ایرانی نے سمہ وغیرہ پر لشکر کشی کی۔ نادر شاہ ایرانی نے 1738ء میں پشاور اور اس کے مضافات پر حملے کئے تھے۔ نادر شاہی فتنہ کے خوف سے سمہ یوسف زئی کے تمام لوگ کرب و اذیت میں مبتلا تھے۔ واقعات کے راوی کا بیان ہے کہ ایک رات بام خیل میں محمد اپنے چھ بیٹوں اوّل یار محمد، دوم تاج محمد، سوم صالح محمد، چہارم فیض محمد، پنجم دوست محمد، ششم سید محمد سمیت سو رہے تھے۔ ان لڑکوں کی والدہ بھی محوِ خواب تھی۔ اکیلی آپؒ کی صاحبزادی جاگ رہی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ نادر شاہی فوج علاقے میں وارد ہو رہی ہے۔ اس ہوشیار صاحبزادی نے اپنے تمام اہل خانہ کو نیند سے جگایا۔ فوری طور پر اپنے آبائی وطن سے ہجرت کی تیاری شروع کی گئی، تمام اہل خانہ

وہاں سے عجلت میں نکل کر "گدون امازئی پہاڑ" سے ہوتے ہوئے "چغرزئی" کی طرف روانہ ہو کر بالآخر بخیر و عافیت دریائے سندھ کے کنارے واقع "کماچ گاؤں" پہنچ گئے اور **شاہ محمد ملقب بہ اخون صاحبؒ** کے گھر میں داخل ہو گئے۔ شاہ محمد، جو محمدؒ کے بھائی تھے، پہلے ہی بام خیل سے اس علاقے میں آکر تقدیری اسباب کی بناء پر "کماچ" میں مستقل سکونت اختیار کر چکے تھے۔ اخون صاحبؒ ایک جامع عالم دین تھے۔ ہر فنّ علم، خاص طور پر فقہ حنفی میں نہایت مہارت رکھتے تھے۔ دونوں بھائی شاہ محمد اور محمد کماچ گاؤں میں مقیم تھے۔ اس دوران محمد رحمہ اللہ کماچ سے قاسما تشریف لے گئے اور دینی خدمات امامت وغیرہ کی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے سلسلے میں وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

چونکہ مولانا انعام اللہ باباجی مرحوم، محمدؒ کے بیٹوں میں آخری بیٹے سید محمدؒ کی نسل سے ہیں۔ اس وجہ سے یہاں سید محمدؒ کے کچھ حالات بیان کئے جاتے ہیں۔

پیر طریقت سید محمدؒ، زاہد اور بزرگ عالم دین تھے۔ دس سال سے خلوت میں، اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف تھے اور اسی دوران وفات پا گئے تھے۔ آپؒ کا مرقد مبارک "ڈیرئی گاؤں" میں معروف ہے۔

آپؒ کے تین فرزند تولّد ہوئے اوّل میر محمد، دوم فقیر محمد، سوم محمد نور۔ مولانا انعام اللہ باباجی میر محمد مرحوم کے پوتے ہیں۔ لہذا میر محمد باباجیؒ کے کچھ حالات یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

میر محمدؒ، تارک الدنیا، متقی، متبحر عالم دین اور صاحب طریقت بزرگ تھے۔ آپ رحمہ اللہ اخون

پنجو بابا، جن کا مزار پشاور شہر میں مرجع خاص و عام ہے، کی اولاد میں ذاکر میاں جو اخون پنجو باباؒ کے پوتے تھے، سے بیعت تھے۔ میر محمدؒ زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ اور خدمت خلق میں پیش پیش تھے۔ بہ طریق احسن، تمام غربت زدہ اور ضرورت مند افراد کی مدد کرتے تھے۔

آپؒ نے ڈیرئی گاؤں میں لنگر بھی جاری کر رکھا تھا۔ چنانچہ غرباء، فقراء اور مساکین آپکے دولت کدہ پر حاضر ہو کر، آپکے جاری کردہ اس لنگر میں کثرت سے شریک ہو کر فیض یاب ہوتے تھے۔ الغرض آپ رحمہ اللہ بڑی قابل تعریف شخصیت تھے۔ لوگ کثیر تعداد میں آپکی مجلس میں دعاؤں کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ دین مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تبلیغ میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے۔ دین حق کے عاشق صادق اور ہر وقت رضائے الٰہی کو مد نظر رکھتے تھے۔

میر محمد مرحوم کے پانچ فرزند تھے۔

اوّل محمد اکبر، دوم سید اکبر، سوم حج اکبر، چہارم غلام اکبر، پنجم عبد الاکبر۔ محمد اکبر، سید اکبر اور غلام اکبر کی اولاد اپنے والد بزرگوار کی وجاہت و شرافت کے باعث صاحبزادگان کہلاتی ہے۔ آپؒ ایک عظیم بزرگ شخصیت، قومی راہنما اور مقتدیٰ تھے۔ یہ خاندان صاحبزادگان سے اس لئے معروف و مشہور ہے کہ صاحبزادہ ایک اعزازی لقب ہے اور لفظ صاحبزادگان، لفظ مذکور کی جمع ہے۔ چہارم غلام اکبر باباجی مرحوم مولانا انعام اللہ رحمہ اللہ کے والد بزرگُوار ہیں۔ اسی مناسبت سے آپ رحمہ اللہ کے حالات یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

غلام اکبر باباجی مرحوم نے جب علوم نبویہ علی صاحبھا الصلٰوۃ والسلام کی تکمیل کی تو ڈیرئی گاؤں

میں طالبان کا بمشکل گزراوقات ہو رہا تھا۔ اسی اثناء میں اچانک بہ تقدیر الٰہی "بہار" میں سیدان (سیدزادگان) کے امام صاحب انتقال فرماگئے۔ ان حضرات نے غلام اکبر باباجی رحمہ اللہ علیہ سے مرحوم متوفّٰی کی جگہ مذہبی فرائض کی انجام دہی کا تقاضا کیا۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ ان کے مطالبے پر بہار چلے گئے اور وہاں مستقل سکونت اختیار کی۔

مولانا انعام اللہ مغفور و مرحوم نے اپنے والد بزرگوار کی سوانح حیات کے متعلق لکھا ہے کہ مرحوم غلام اکبر صاحب ایک جلیل القدر بزرگ، متقی اور اللہ تعالٰی کا خوف رکھنے والے اہل علم تھے۔ 1319ھ بمطابق 1901ء میں تقریباً اٹھارہ سال سیدان کے امام وخطیب رہے۔ دلیری و شجاعت سے مکمل طور پر بہرہ مند تھے۔

ابتدائی زندگی اور تعلیم

مولانا قاضی انعام اللہ مرحوم کی ولادت 1317ھ بمطابق 1899ء میں بہار نامی بستی میں ہوئی، جو اُس وقت تحصیل ہری پور ضلع پشاور کی حدود میں واقع تھی، جس کا ڈاک خانہ حویلیاں تھا۔ دریائے سندھ کے کنارے واقع یہ مقام، موجودہ دور میں تحصیل مارتونگ، ضلع شانگلہ کے پی کے کی حدود میں واقع ہے، جس کا یونین کونسل نصرت خیل ہے۔ آپؒ کے آبائی وطن کے پتے کا ذکر خود دارالعلوم دیوبند کے ریکارڈ میں موجود ہے، جہاں آپؒ کا نام انعام اللہ پشاوری کے طور پر درج ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اُس وقت یہ علاقہ ریاست سوات (یوسف زئی) کا حصہ نہیں تھا۔ پروفیسر شاھی روم کی تصنیف اس موقف کو مزید تقویت دیتی ہے کہ بہار کا علاقہ بعد ازاں ریاست سوات میں شامل کیا گیا۔

باباجی موصوف کا اصل نام انعام اللہ تھا، مگر علاقے میں آپؒ قاضی صاحب، صاحبزادہ صاحب، منز کلے باباجی اور منز کلی مولوی صاحب کے القابات سے معروف تھے۔

آپؒ ایک دینی و علمی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ اپنے آباؤ اجداد کی روایات کو قائم رکھتے ہوئے دینی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ آپؒ ایک جلیل القدر عالم بن گئے۔ میرے دادا جان مولانا حبیب الرحمنؒ نے فرمایا کہ ہمارے والد محترم فارسی، عربی اور اردو پر یکساں عبور رکھتے تھے اور طالب علم کو اس کے ذوق و فہم کے مطابق اسی زبان میں تقریر کر کے سمجھاتے تھے۔ نیز میرے دادا جان نے یہ بھی فرمایا کہ والد محترم مولانا انعام اللہ مرحوم بڑے بڑے امراء اور

معززین کی مجلس میں ایسی فصیح و بلیغ، پر مغز اور مدلل گفتگو فرماتے تھے کہ تمام لوگ ہمہ تن گوش ہو کر گفتگو سنتے اور کسی کو مجال نہ ہوتی کہ آپؒ کی بات کو قوت استدلال سے رد کر دیتے۔

مولانا انعام اللہ مرحوم کے والد محترم کے بارے میں پچھلے صفحات میں کچھ معلومات ذکر کی گئی ہیں۔ یہاں مزید کچھ عرض کرتا چلوں کہ مولانا غلام اکبر مرحوم نہ صرف ایک جید عالم دین تھے، بلکہ ایک صاحب طرز مصنف بھی تھے۔ انہوں نے 1308ھ بمطابق 1889ء میں بزبان فارسی "اِسنادِ حرز یمانی" کے عنوان سے ایک اہم دینی کتاب کا مسودہ تحریر فرمایا، جو اُن کی علمی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ مسودہ ہمارے خاندان کے جلیل القدر عالم دین مفتی کمال الدین المسترشد صدیقی کے پاس موجود ہے۔ مجھے قوی امید ہے کہ فاضل موصوف اس مسودہ کی تحقیق، ترجمہ اور اشاعت کا کام خوش اسلوبی سے انجام دیں گے۔ انشاء اللّٰہ وما ذالک علی اللّٰہ بعزیز۔

اسی طرح 1327ھ بمطابق 1909ء میں انہوں نے صدیقی خاندان کا تفصیلی شجرہ نسب بھی تحریر فرمایا جس میں صدیقی خاندان کی کئی نسلوں کی تاریخ کو محفوظ کیا گیا ہے۔ حالیہ دور میں ہم نے صدیقی خاندان پر جو کتاب مرتب کی ہے اس کی اساس اور مأخذ باباجی مرحوم کا مرتب کردہ یہی شجرہ نسب ہے، جو علمی اور تاریخی اعتبار سے ایک گراں قدر سرمایہ ہے اور باباجی کی بصیرت و فراست کو آشکار کرتا ہے۔

اگرچہ مولانا انعام اللہ باباجیؒ کے والد مرحوم کی تاریخ پیدائش محفوظ نہیں، تاہم آپؒ کا وصال 1909ء اور 1924ء کے درمیانی عرصے میں ہوا ہے (1909ء میں آپؒ نے شجرہ نسب نامی

کتاب تحریر فرمائی ہے اور 1924ء میں فرزند اکبر مولانا انعام اللہ مرحوم نے اپنی تحریر میں اپنے والد محترم کی وفات کا تذکرہ فرمایا ہے)۔

مظاہر العلوم سہارنپور انڈیا کے ریکارڈ میں باباجی کے والد کا نام غلام اکبر ہزاروی کے طور پر درج ہے، جو آپکے آبائی علاقے کے، ہزارہ سے نسبت کی نشاندہی کرتا ہے اور اپنے مرتب کردہ شجرہ نسب میں انہوں نے اپنا نام غلام اکبر صاحبزادہ بہاری درج فرمایا ہے، جو اُن کے آبائی گاؤں "بہار" کی نسبت کو ظاہر کرتا ہے۔

مولانا قاضی انعام اللہ مرحوم، جو بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ دوسرے نمبر پر نعمت اللہ مرحوم، جو بعد ازاں ریاست سوات کی تحصیل مارتونگ میں مرزا کے عہدے پر فائز ہو کر مرزا صاحب کے نام سے مشہور ہوئے اور تحصیل مارتونگ ہی میں رہائش پذیر تھے، بقضائے الٰہی ٹی بی کے جان لیوا مرض میں مبتلا ہو کر بہار سینکڑئ منتقل کر دیے گئے، جہاں آخر کار آپ 1350ھ بمطابق 1932ء وفات پا گئے اور وہیں سپردِ خاک کر دیے گئے۔ چوتھے نمبر پر عبید اللہ مرحوم، جو بعد میں اپنے برادر اکبر کی طرح دارالعلوم دیوبند انڈیا میں علوم نبویہ کی تکمیل کر کے وطن لوٹ آئے تھے۔ مذکور بالا تینوں بھائیوں کی والدہ صاحبہ کی زندگی کا ایک پُر اثر واقعہ، جو بزرگوں سے منقول ہے، یہاں درج کیا جاتا ہے، جو کہ ان تینوں کی والدہ صاحبہ کی بے مثال قربانی اور علم دوستی کا مظہر ہے۔ وہ یہ کہ ہر صبح وہ انہیں دریا کے کنارے لے کر جاتیں، وہاں کھڑی ہو کر انہیں کشتی کے ذریعے دریا پار کرواتیں، تاکہ وہ دوسری جانب قائم ایک دینی مدرسے میں تعلیم حاصل

کر سکیں۔ مدرسہ روانگی سے قبل وہ بچوں کو تاکید کرتی کہ ہفتے بھر گھر واپس نہ آیا کریں بلکہ مدرسہ ہی میں مقیم رہیں تاکہ تعلیم سے توجہ نہ ہٹنے پائے۔ مگر بچے ماں کی محبت سے مغلوب ہو کر شام کے وقت گھر لوٹ آتے۔ یہ واقعہ اماں صاحبہ کی بے پناہ قربانی، دوراندشی اور الوالعزمی کی علامت ہے، جنہوں نے تنہا اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری سنبھال لی، کیونکہ ان کے والد محترم غلام اکبر مرحوم کا انتقال ان کی کم سنی میں ہو گیا تھا اور ان کی پرورش و تعلیم کی تمام تر ذمہ ماں کے کندھوں پر آگئی۔ یہ صاحب فراست خاتون، جو شاید کسی مدرسہ کی طالبہ نہ رہی ہو، لیکن انہوں نے اپنی دانشمندی، بصیرت اور بلند ہمتی سے نہ صرف اپنے بچوں کی زندگی سنواری بلکہ ان کے اندر پوشیدہ علمی و روحانی چراغوں کو روشن کیا، جو آج بھی مارتونگ کی تاریخ کے تابندہ و درخشاں باب ہیں۔

اپنے والد محترم اور علمی خانوادے سے متاثر ہو کر مولانا قاضی انعام اللہ مرحوم نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مرحوم اور مقامی اساتذہ کرام سے حاصل کی۔ اس مرحلے کا تذکرہ فرماتے ہوئے آپؒ خود رقم طراز ہیں کہ

"اپنے آبائی وطن میں منطق، فلسفہ اور عقائد کی ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں نے اعلٰی دینی تعلیم کے لئے ہندوستان کا رخ کیا۔ وہاں پورے تعلیمی دورانیے میں وطن واپسی نہیں کی بلکہ تکمیل پر لوٹ آیا۔ یہ وہی زمانہ ہے جب ٹڈی دل کی وبا آئی تھی۔ پہلے میں نے مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا، جہاں اُس وقت حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ مصنف بذل المجهود

شرح ابو داؤد شریف دارالعلوم ہذا کے صدر رہتے۔ میں نے وہاں تین سال فقہ، عقائد اور ریاضی کی تعلیم حاصل کی۔"

اس کے بعد باباجی مرحوم مزید تحصیل علم کے لئے دارلعلوم دیوبند روانہ ہو گئے تاکہ وہاں دورۂ حدیث کی تکمیل کر سکیں چنانچہ آپؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"چوتھے سال میں دارالعلوم دیوبند داخلہ کے لئے روانہ ہوا اور اس بابرکت شہر میں داخل ہوا۔ یہاں میں نے بخاری شریف اور ترمذی شریف حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ سے، ابو داؤد شریف مولانا سید میاں اصغر حسین دیوبندی رحمہ اللہ سے، مسلم شریف مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے اور کچھ دیگر کُتب بعض دوسرے جلیل القدر علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے پڑھیں۔"

اپنی تعلیم کی تکمیل کے بعد آپؒ اپنے آبائی وطن بہار (موجودہ تحصیل مارتونگ) واپس تشریف لائے اور اپنے والد مرحوم کے علمی و دینی فرائض کو سنبھالا۔

مولانا قاضی انعام اللہ رحمہ اللہ کی مظاہر العلوم سہارنپور میں تعلیم

حضرت باباجی مرحوم نے 1340ھ بمطابق 1922ء میں مظاہر العلوم، سہارنپور میں باقاعدہ داخلہ لیا، جیسا کہ ادارے کے ریکارڈ سے ظاہر ہوتا ہے۔ دوران تعلیم انہوں نے مختلف اہم اور دقیق علوم کا مطالعہ کیا جن میں مندرجہ ذیل کتب شامل ہیں۔

سال 1340ھ بمطابق 1922ء میں: شمس بازغہ (شرحِ بلوغ المرام)، خلاصتہ الحساب، سراجی، مختصر المعانی، نسائی شریف، کنزالدقائق۔

سال 1341ھ بمطابق 1923ء میں: تصریح، اقلیدس (جیومیٹری)، شرح چغمینی، سبع شداد، امور عامہ، نور الانوار، شرح وقائیہ، شرح عقائد نسفی خیالی۔

مذکورہ بالا تمام کتب آپؒ کے علمی ذوق، فکری وسعت اور دینی شُغف کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ان کتب میں حاصل کردہ نمبرز بھی ادارے کے ریکارڈ میں درج ہیں، جو آپؒ کی محنت اور علمی قابلیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ مظاہر العلوم کی جانب سے آپؒ کو بعض کتب بھی بطور انعام عطا کی گئیں، جن میں قران مجید کا نسخہ، سراجی، مسامرہ، ضحایا، مسلم الثبوت مع مسامرہ شامل ہیں۔ یہ انعامی کتب اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ مدرسہ مظاہر العلوم نے آپؒ کی محنت شاقّہ، نظم وضبط کی پابندی اور تعلیمی کامیابیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور انعامات کی صورت میں انہیں سراہا اور حوصلہ افزائی کی۔ یہاں یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ باباجی مرحوم کے تیسرے سال یعنی 1342ھ

بمطابق 1924ء کا تعلیمی ریکارڈ دارالعلوم سہارنپور کی دستاویزات میں موجود نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ اِس آخری سال کی روداد سابقہ دو سالوں میں ضم کر دی گئی ہو۔

مدرسہ مظاہر العلوم، سہارنپور کا قیام 8 نومبر 1866ء کو عمل میں آیا، جو دارالعلوم دیوبند کے قیام کے صرف چھ ماہ بعد کی بات ہے۔ اس عظیم علمی ادارے کی بنیاد جن جید علمانے رکھی، ان میں مولانا احمد علی سہارنپوری، مولانا محمد مظہر نانوتوی، مولانا قاضی فضل الرحمان اور مولانا سعادت علی فقیہ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ یہ ادارہ برصغیر ہند کا دوسرا سب سے بڑا اور بااثر دینی مدرسہ شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے ابتدائی فضلاء میں مشہور محدث، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کا نام سرِ فہرست ہے، جنہوں نے علم حدیث میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور برصغیر ہند کے ان ممتاز اور قدیم دینی اداروں میں شمار ہوتا ہے جنہوں نے برصغیر میں دینی تعلیم کے فروغ، اسلامی علوم کی حفاظت اور علماء کی تیاری میں نمایاں کردار ادا کیا۔

دارالعلوم دیوبند کا تعلیمی دورانیہ

دارالعلوم دیوبند کے ریکارڈ کے مطابق مولانا انعام اللہ باباجی مرحوم نے شوال المکرم 1342ھ، بمطابق مئی 1924ء کو دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور شعبان المعظم 1343ھ بمطابق مارچ 1925ء کو دورۂ حدیث مکمل فرمایا۔ داخلہ کے وقت آپؒ کی عمر پچیس برس تھی۔ آپؒ مظاہر العلوم سہارنپور میں تین سال پڑھ کر دارالعلوم دیوبند تشریف لاچکے تھے۔

دارالعلوم دیوبند میں دوران تعلیم انہوں نے جن اہم حدیثی و تفسیری کتب کا مطالعہ کیا اور ان میں اساتذہ کرام سے کسب فیض حاصل کیا، وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

شمائل ترمذی، بخاری شریف، موطا امام محمد، جامع ترمذی، ابوداؤد شریف، ابن ماجہ، مسلم شریف، طحاوی شریف، بیضاوی شریف، موطا امام مالک اور نسائی شریف۔

ان کتب میں حاصل کردہ اعلیٰ نمبرات بھی دستاویزات میں درج ہیں جو اُن کی علمی لیاقت، محنت اور کارکردگی کا ثبوت ہیں۔ آپؒ کو اس حسن کارکردگی پر یہ انعامی کتب دی گئیں۔ انوار احمدیہ، احسن الکلام اور مثنوی خردنامہ۔

حضرت باباجی رحمہ اللہ کے اساتذہ کرام کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا عزیز الرحمن عثمانی (برادرِ مولانا شبیر احمد عثمانی)، مولانا مفتی محمد حسن بانی جامعہ اشرفیہ لاہور، مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری، مولانا رسول خان ہزاروی، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، مولانا اصغر حسین دیوبندی بانی مدرسہ اصلاح اور

مولانا اعزاز علی امروہوی رحمہم اللہ۔ اُس وقت مولانا حبیب الرحمنؒ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے۔

جس سال آپؒ دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کر رہے تھے اُس سال آپؒ کی کلاس میں اٹھہتر (78) طلباء شامل درس تھے، جن میں حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی بھی شامل تھے جو بعد میں دارالعلوم کراچی اور بعد ازاں جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ حضرت میرٹھیؒ بنوری ٹاؤن میں مولانا کمال الدین المسترشد کے بھی استاد رہے اور دورۂ حدیث میں صحیح مسلم اُن کو پڑھایا۔ درجہ دورۂ حدیث میں باباجی مرحوم کی کلاس میں حضرت مولانا محمد میاں دیوبندیؒ بھی شامل تھے، جو ممتاز مذہبی سکالر، مُورخ اور کئی بلند پایہ کتب کے مصنف تھے۔

دارالعلوم دیوبند، برصغیر پاک وہند کا ایک عظیم دینی ادارہ ہے، جس کا قیام 1866ء میں ہندوستان کے شہر دیوبند (موجودہ تحصیل دیوبند، ضلع سہارنپور، ریاست اترپردیش، انڈیا) میں عمل میں آیا۔ اس تاریخی مدرسے کی بنیاد مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا فضل الرحمن عثمانی، مولانا سید محمد عابد دیوبندی اور دیگر جید علماء کرام نے رکھی۔ اس ادارے کے پہلے مدرس حضرت مولانا محمود دیوبندی جبکہ پہلے طالب علم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی تھے، جنھوں نے بعد ازاں علمی وسیاسی میدان میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ دارالعلوم دیوبند نے قرآن وسنت کی روشنی میں علماء کی تعلیم وتربیت، فقہی مسائل کی تحقیق، اور اصلاحِ معاشرہ کے میدان میں مثالی

کردار ادا کیا۔ اس ادارے سے نہ صرف ہزاروں جید علماء فارغ التحصیل ہوئے بلکہ برصغیر کی دینی، فکری اور سیاسی قیادت بھی اسی مادرِ علمی سے پروان چڑھی۔ تحریکِ آزادی ہند میں دارالعلوم دیوبند کے علماء نے جس جرأت و استقامت کے ساتھ کردار ادا کیا، وہ تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ آج بھی یہ ادارہ پوری دنیا میں اپنی علمی و اصلاحی خدمات کے باعث احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

قاضی صاحب رحمہ اللہ کے، دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ کرام اور ان کا مختصر تعارف

مولانا انور شاہ کشمیریؒ

مولانا انور شاہ کشمیریؒ 26 نومبر 1875ء کو پیدا ہوئے۔ آپؒ ایک کشمیری عالم دین، مفسّر، محدث اور فلسفی تھے۔ بیسویں صدی کے ابتدائی دور میں انھیں علومِ حدیث میں مہارت، زبردست حافظے اور احادیث کی منفرد تشریح کے حوالے سے جانا جاتا تھا۔ وہ دار العلوم دیوبند کے چوتھے صدر مدرس بھی تھے۔ انھوں نے مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی سرپرستی میں دارالعلوم دیوبند میں اسلامی علوم کی تعلیم حاصل کی اور روحانی تعلق مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے استوار کیا۔ انھوں نے اپنی علمی زندگی کا آغاز مدرسہ امینیہ کے پہلے صدر مدرس کی حیثیت سے کیا۔ آپؒ کے نظریات اور آراء کا ہندوستان کے کئی علمانے حوالہ دیا اور انھیں "چلتی پھرتی لائبریری" کے طور پر یاد کیا۔ ان کی علمی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع موضوعات پر مشتمل تھا، جن میں قرآن، بنیادی عقائد، فلسفہ، فقہ اسلامی، علم الحیوانات، شاعری اور سیاسی نظریات شامل تھے۔ انھوں نے پندرہ ہزار اشعار بھی تخلیق کیے۔ مشکلات القرآن، فیض الباری علی صحیح البخاری، انوار الباری شرح صحیح بخاری اور العرف الشذی شرح سنن الترمذی کے مصنف ہیں۔ 28 مئی 1933ء کو دیوبند میں ان کا انتقال ہوا۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی پیدائش 11 اکتوبر 1887ء کو بھارت کی ریاست اترپردیش کے بجنور شہر میں ہوئی۔ علامہ صاحبؒ وہ عالم دین تھے جنھوں نے 1940ء کی دہائی میں تحریک پاکستان کی حمایت کی۔ وہ ایک مذہبی عالم، مصنف، خطیب، سیاست دان، مفسّر اور محدث تھے۔ علامہ عثمانیؒ مولانا محمود الحسنؒ کے تلامذہ میں سے تھے۔ 1325ھ بمطابق 1908ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔ مسلم لیگ میں شریک ہو کر تحریک پاکستان کو تقویت بخشی اور ایک جماعت جمیعت علمائے اسلام کے نام سے تشکیل دی جس کے پہلے صدر آپ منتخب ہوئے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے 14 اگست 1947ء کو پاکستان کی پہلی مجلس قانون ساز کی افتتاحی تقریب میں پاکستان کے قومی پرچم کی پہلی بار پرچم کشائی کی تھی۔ انہیں قرارداد مقاصد پیش کرنے کے حوالے سے یاد کیا جاتا ہے، جو 12 مار 1949ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں منظور ہوئی۔ آپؒ، تفسیر عثمانی، فتح الملہم، اعجاز القرآن، اسلام کے بنیادی عقائد، العقل و النقل، فضل الباری شرح صحیح بخاری، الشباب مجموعہ رسائل ثلاثہ، کے مصنف ہیں۔ 13 دسمبر 1949ء کو ریاست بہاول پور میں انتقال کر گئے۔

مولانا اعزاز علی امروہویؒ

3 ذی الحجہ 1299ھ بمطابق نومبر 1882ء کو ضلع بدایوں میں ولادت ہوئی۔ دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فاضل، مفسّر، محدث، فقیہ اور ادیب تھے اور تمام ہی علوم میں انھیں یکساں کمال حاصل

تھا، صدر مفتی کے عہدے پر فائز ہوئے۔ آپؒ کے قلم سے پھیلا ہوا علم و عرفان کا فیضان چشمہ صافی کی طرح آج بھی جاری وساری ہے۔ نہایت متواضع شخصیت کے حامل، خلوص وللّٰہیت کے پیکر اور علم پر خود کو فدا کرنے کی اپنی مثال آپ تھے۔ جس طرح عربی نظم و نثر پر قدرت و کمال تھا، اسی طرح اردو نظم و نثر پر بھی کمال حاصل تھا، عربی ادب میں انھوں نے نفحۃ الیمن کے معیار کے مطابق نفحۃ العرب کے نام سے ایک کتاب مرتب کی تھی، جس میں تاریخی حکایات وقصص اور اخلاقی مضامین درج کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب عربی مدارس میں کافی مقبول ہوئی، دار العلوم دیوبند اور دوسرے بہت سے مدارس میں آج تک داخل نصاب ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے فقہ میں نور الایضاح، شرح النقایہ، کنز الدقائق اور ادب میں حماسہ اور دیوان متنبی پر مفید حواشی تحریر فرمائے ہیں، جو نہایت ہی وقیع وکار آمد ہیں، طلبہ و علما اس سے مستفید ہوتے ہیں، حضرت مولانا حبیب الرحمن دیوبندی کے عربی قصیدہ لامیۃ المعجزات کے اشعار کی اردو میں سلیس شرح فرمائی ہے ۔ مولانا اعزاز علی امروہوی کا انتقال 1374ھ مطابق 1955ء میں ہوا اور انھیں دارالعلوم دیوبند کے مزار قاسمی میں سپرد خاک کیا گیا۔ مولانا انظر شاہ کشمیری نے تذکرۃ الاعزاز کے نام سے ان کی سوانح حیات لکھی ہے۔

مولانا سید میاں اصغر حسین دیوبندیؒ

مولانا سید میاں اصغر حسین دیوبندیؒ 1294 ھ بمطابق 1877ء کو دیوبند میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کے والد کا نام شاہ محمد حسن ہے۔ دیوبند میں انکا خاندان علمی و بزرگی کی حیثیت سے مشہور رہا۔ والد

صاحب سے قرآن شریف اور فارسی میں گلستاں تک پڑھ کر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور 1310ھ بمطابق 1892ء میں فارسی کی تکمیل کے بعد عربی شروع کی اور 1320ھ بمطابق 1902ء تک دارالعلوم میں ان کا تعلیمی مشغلہ رہا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد 1321ھ کے اواخر میں مولانا محمود الحسنؒ نے جون پور کی اٹالہ مسجد کے مدرسہ کی صدر مدرسی کے لیے ان کا انتخاب کیا، جہاں 7 سال تک تشنگانِ علوم دینیہ کو پڑھاتے رہے۔ 1328ھ میں جب ارباب دارالعلوم دیوبند نے ایک ماہنامہ رسالہ القاسم جاری کرنے کا فیصلہ کیا تو آپؒ کو جون پور سے بلا کر القاسم کے کام پر مامور کیا، اسی کے ساتھ مختلف کتابوں کے اسباق بھی ان کے سپرد کیے گئے، ان کے درس میں عموماً تفسیر و حدیث کی کتابیں رہتی تھیں۔

مولانا عزیز الرحمن عثمانیؒ

پیدائش 1275ھ بمطابق 1858ء میں ہوئی۔ مولانا عزیز الرحمن عثمانی ولد مولانا فضل الرحمن عثمانی ایک ہندوستانی مفتی، عالم اور فقیہ تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے 1295ھ میں فراغت ہوئی۔ ان کے اساتذہ میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ شامل تھے۔ تصوف میں وہ مولانا محمد رفیع الدینؒ کے مجاز شاگرد تھے۔ آپؒ دارالعلوم دیوبند کے پہلے مفتی اعظم تھے اور اپنے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے لیے مشہور ہیں۔ آپؒ مولانا شبیر احمد عثمانی کے بھائی ہیں۔ 1928ء کو دیوبند میں انتقال کر گئے۔ ان کی نمازِ جنازہ مولانا سید اصغر حسین دیوبندی نے پڑھائی اور انہیں دارالعلوم کے قاسمی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ 2011ء میں، ابو

تمیم نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں محمد حبیب اللہ کی نگرانی میں "مفتی عزیز الرحمن کی فقہی خدمات" کے عنوان سے پی ایچ ڈی کا مقالہ مکمل کیا۔

مفتی محمد حسنؒ

مفتی محمد حسنؒ 1880ء میں حسن ابدال کے نواحی قصبہ مل پور میں پٹھانوں کے اتمان زئی قبیلے کے ایک متقی خاندان میں مولانا اللہ داد کے گھر پیدا ہوئے۔ ایک پاکستانی اسلامی سکالر اور جامعہ اشرفیہ کے بانی تھے۔ آپؒ نے دارالعلوم دیوبند سے تعلیم حاصل کی۔ آپؒ مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد تھے۔ آپؒ مولانا فضل الرحیم اشرفیؒ کے والد ہیں۔ آپؒ کے والد اپنے دور کے مشہور عالم دین، محدث اور بزرگ تھے۔ برصغیر کی معروف علمی و روحانی شخصیت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے آپؒ کا اصلاحی تعلق تھا اور مفتی صاحب ان کے خلیفہ مجاز بھی تھے۔ اسلامی مورخین علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مولانا عبد الماجد دریابادیؒ حضرت مفتی محمد حسنؒ کے نقش قدم سے وابستہ تھے۔ مفتی محمد حسنؒ طویل علالت کے بعد یکم جون 1961ء کو کراچی میں انتقال کر گئے۔

مولانا مرتضی حسن چاندپوریؒ

مولانا مرتضی حسنؒ کی ولادت 1868ء میں ہوئی۔ ایک ہندوستانی عالم دین تھے۔ وہ تصوف کے چشتی سلسلہ میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ مولانا مرتضی حسن چاندپوریؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے شاگرد تھے۔ وہ دارالعلوم دیوبند سے سنہ 1304ھ میں فارغ التحصیل

ہوئے۔ حضرت چاند پوریؒ نے دربھنگہ اور مراد آباد کے دینی مدارس میں طویل عرصہ تک تدریسی خدمات انجام دیں لیکن بعد میں دارالعلوم دیوبند میں شمولیت اختیار کی۔ آپؒ ایک عرصہ تک ناظم تعلیمات رہے۔ بعد میں انھیں شعبۂ تبلیغ کا انتظام سونپا گیا۔ وہ یکم رمضان 1350ھ کو دیوبند مدرسہ سے ریٹائرڈ ہوئے۔ چاند پور، بجنور میں 31 دسمبر 1951ء کو دارِ فانی کی طرف کوچ کر گئے۔

مولانا محمد رسول خان ہزارویؒ

حضرت ہزارویؒ 1871ء میں موجودہ ہزارہ ڈویژن کے ضلع بٹگرام کے علاقہ ٹکری میں پیدا ہوئے۔ ایک پاکستانی اسلامی سکالر اور مصنف تھے۔ انھوں نے دارالعلوم دیوبند سے تعلیم حاصل کی ۔ آپؒ مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے شاگرد تھے۔ آپؒ دارالعلوم دیوبند میں بھی استاد رہے۔ ان کے تلامذہ میں مولانا شمس الحق افغانیؒ، مولانا محمد شفیع عثمانیؒ، علامہ محمد یوسف بنوریؒ، مولانا ادریس کاندھلویؒ، مولانا محمد طیب قاسمیؒ شامل ہیں۔ آپؒ جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث اور اورینٹل کالج میں عربی کے پروفیسر رہے۔ انھیں دار العلوم دیوبند میں شیخ الکل فی الکل کہا جاتا تھا کیونکہ ان کا حافظہ نہایت قوی تھا اور اللہ تعالی نے انھیں ایسا علمی ملکہ عطاء فرمایا تھا کہ ان کو متن کے ساتھ ساتھ کتاب کا حاشیہ بھی ازبر رہتا تھا۔ البتہ ان کا مشغلہ چونکہ درس وتدریس رہا اس لیے تصنیفی کام کی طرف توجہ نہ دے سکے۔ 23 اکتوبر 1971ء کو دارِ فانی کی طرف کوچ کر گئے۔

مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ

مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ 1887ء میں قاضی پورہ، ضلع بلیا، ہند میں پیدا ہوئے۔ ایک ہندوستانی دیوبندی عالم دین تھے، جنھوں نے دار العلوم دیوبند کے چھٹے صدر المدرسین کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ انھوں نے دار العلوم دیوبند ہی میں تقریباً پچاس سال حدیث، منطق، فلسفہ اور دیگر فنون کی تدریسی خدمات انجام دیں۔ 1907ء میں دار العلوم دیوبند میں ان کا داخلہ ہوا اور 1909ء میں انھوں نے وہاں سے سند فضیلت حاصل کی۔ ان کے اساتذۂ دار العلوم دیوبند میں مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ شامل تھے۔ تصوف میں وہ اپنے شاگرد شاہ وصی اللہ فتح پوریؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور ان کے مجاز بھی ہوئے۔ ھدیۃ الاحوذی، رسالۂ مصافحہ، رسالۂ تراویہ، انوار الحکمہ، ضیاء النجوم کے مصنف ہیں۔ حضرت بلیاویؒ کا انتقال بہ روز چہار شنبہ 27 دسمبر 1967ء کو دیوبند میں ہوا اور قاسمی قبرستان میں انھیں سپردِ خاک کیا گیا۔

قاضی صاحب رحمہ اللہ کے، دارلعلوم دیوبند کے

ہم درسوں کا مختصر تذکرہ

مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ

مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ 4 اکتوبر 1903ء کو دیوبند میں پیدا ہوئے۔ ہندوستان کے مشہور مؤرخ، سیاست داں، دانشور اور ماہر تعلیم تھے جنھوں نے تحریک آزادی ہند میں بھرپور حصہ لیا۔ نیز وہ جمعیۃ علمائے ہند کے ترجمان، مولانا حسین احمد مدنیؒ کے افکار و نظریات کے حامل و نگہبان اور مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ کے معتمد علیہ معاون و مددگار بھی تھے۔ مولانا محمد میاںؒ کا اصل نام مظفر میاں تھا۔ ان کا تعلق دیوبند کے قدیم خاندان سادات رضویہ سے تھا جو دیوبند کے سادات خاندان میں سب سے بڑا سمجھا جاتا ہے۔ مختلف موضوعات پر مولانا سید محمد میاںؒ کی پچاسوں کتب ورسائل ہیں، جن میں، علماء ہند کا شاندار ماضی، نورالاصباح، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صالح جمہوریت اور تعمیر جمہوریت، صحابہ کرام کا عہد زریں، اسلام اور انسان کی حفاظت، مسئلہ تعلیم اور طریقۂ تعلیم، ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم، شواہد تقدس وغیرہ شامل ہیں۔ حضرت دیوبندی مرحوم کے خلف الرشید مولانا ساجد میاں اور مولانا حامد میاں ہیں۔ مولانا حامد میاںؒ 1952 عیسوی میں اپنے والد محترم کی اجازت سے پاکستان تشریف لائے اور مشہور مدرسہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں تعلیم حاصل کی۔ آپؒ کی وفات 22 اکتوبر 1975ء کو دلی میں ہوئی۔

مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ

مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ انڈیا کے شہر میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ جہاں تفسیر و حدیث، فقہ و کلام اور منطق و فلسفہ کی تعلیم اکابر علماء سے حاصل کی۔ دورۂ حدیث حضرت علامہ محمّد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا۔ قیامِ پاکستان کے بعد کراچی تشریف لے آئے اور علوم دینیہ و عصریہ کی تعلیم کے لئے ادارہ شرقیہ کراچی کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ آپؒ نے پہلے دارالعلوم کراچی میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر علامہ یوسف بنوری کی دعوت پر ان کے مدرسہ جامعہ اسلامیہ نیوٹاون کراچی میں مدرس بن گئے اور اپنی تمام زندگی اسی جامعہ میں خدمت حدیث میں گزاردی۔ ان کے تلامذہ خاص میں مولانا حبیب اللہ مختارؒ، مفتی جمیل خانؒ اور مفتی زرولی خانؒ شامل ہیں۔ انھوں نے پہلے جنرل سیکریٹری اور پھر صدر کی حیثیت سے وفاق المدارس، پاکستان میں خدمات انجام دیے۔ 2 فروری 1989ء کو بروز جمعرات درسِ قرآن وحدیث پڑھانے کے بعد نماز ظہر کے قریب اپنے مالکِ حقیقی سے جاملے۔

مولانا انعام اللہ مرحوم کے دیگر ہم درس ساتھیوں کے اسمائے گرامی "حصہ سندات" میں محفوظ ہیں۔ یہ تمام نام دارالعلوم دیوبند کی سالانہ روداد 1343ھ بمطابق 1924ء میں تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ ناظرین کی سہولت کے لیے یہاں صرف ان کے نام ذکر کیے جا رہے ہیں۔ یہ نام، معروف کتاب "آباء کے دیس میں دارالعلوم دیوبند کا تاریخی سفر نامہ" سے لیے گئے ہیں جسے شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی حفظہ اللہ نے قلمبند فرمایا ہے۔ اس کتاب میں،

محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے تلامذہ کا تذکرہ بھی شامل ہے، جو 1342ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لائے تھے۔ ان صفحات کا حوالہ ذیل میں دیا جارہا ہے تاکہ قارئین اصل ماخذ سے استفادہ کرسکیں۔

باباجی مرحوم کی کچھ یادیں، متفرق واقعات

دارالعلوم دیوبند میں قیام کے دوران شام کو اساتذہ کرام اور طلبہ عظام مدرسے کے ایک مخصوص مقام پر جمع ہو کر علمی مباحثہ کرتے تھے۔ اس مجلس میں باباجی مرحوم فصیح و بلیغ گفتگو فرماتے تھے اور آپؒ کی فصاحت و بلاغت کلامی کی وجہ سے مجلس کی رونق کو چار چاند لگ جاتے تھے۔ اس مجلس میں مختلف موضوعات پر اظہار خیال کیا جاتا تھا۔ سال کے اختتام پر جب باباجی موصوف دیوبند چھوڑ کر اپنے آبائی وطن کے لئے عازم سفر ہو گئے تو آپؒ کے چلے جانے کے بعد اساتذہ کرام اور طلبہ عظام نے محسوس کیا کہ وہ محفل پہلے جیسی نہ رہی بلکہ اس کی رونق ماند پڑ گئی۔ کیونکہ مولانا انعام اللہ مرحوم کی موجودگی میں وہ محفل جاذب نظر، پر کشش، دلچسپ اور توجہ کا مرکز ہوتی تھی۔

باباجی مرحوم کے فرزند مولانا حبیب الرحمٰن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے والد محترم فرمایا کرتے تھے کہ دارالعلوم دیوبند میں قیام کے دوران تعلیمی سرگرمیوں میں وقتاً فوقتاً چھٹیوں کے دورانیے میں مقامی طلبہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے، جبکہ ہم غیر مقامی طلبہ کو، ہندوستان کے مختلف خطوں میں مبلغین کے طور پر بھیجا جاتا تھا۔ ہمارا مشن ہندوؤں وغیرہ کو دلائل و براہین کیساتھ قائل کر کے ان کو اسلام کا پیغام پہنچانا اور انہیں اسلام کی سعادت سے بہرہ ور کرنا ہوتا تھا۔

مولانا قاضی انعام اللہ مرحوم ایک عظیم عالم دین اور مدرس تھے جنہوں نے اپنی حیات مستعار کو

دینی خدمات کے لئے وقف کیا۔ ہندوستان سے واپسی پر آپؒ نے اپنے آبائی وطن موضع بہار میں پندرہ سال امامت اور تدریس کی۔ یہ تمام دینی سرگرمیاں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے تھیں اور ان میں دنیوی اغراض کا شائبہ تک نہ تھا۔

مولانا حبیب الرحمنؒ نے فرمایا کہ ہمارے والد محترم ایک بے مثال عالم اور بلند پایہ دینی سکالر تھے، جنہیں تمام دینی علوم وفنون میں مہارت تامّہ حاصل تھی۔ ان علوم وفنون میں علم فصاحت و بلاغت، صرف، علم عروض، ادب، ریاضی، عقائد، فلسفہ، منطق، فقہ، اصول فقہ اور تجوید قرآن کریم شامل ہیں۔ علاوہ ازیں مولانا موصوف فارسی ادب میں بھی مہارت تامّہ رکھتے تھے۔ آپؒ کے مطالعہ میں گلستان، بوستان، زلیخا، سکندر نامہ اور حافظ شیرازی مثنوی جیسی معروف کتابیں شامل تھیں۔

آپؒ کا تحریری اسلوب بے حد مقبول تھا۔ آپؒ کے تحریر کردہ خطوط عربی، فارسی اور اردو ادب کا شاہکار ہوتے تھے اور بڑے بڑے امراء اور حکام آپؒ کے اسلوب تحریر سے بے حد متاثر ہو جاتے تھے اور وہ ان خطوط کو اپنے پاس یادگار کے طور پر محفوظ رکھ لیتے تھے۔

اس پر مستزاد یہ کہ تحریری خصوصیات کے ساتھ ساتھ باباجی مرحوم ایک قادر الکلام خطیب بھی تھے۔ آپؒ کی تقریریں اتنی اثر انگیز ہوتی تھیں کہ سامعین پر دیر تک اثر چھوڑتی تھیں۔ آپؒ کی فصیح و بلیغ تقریریں آپکے وسیع علم و حکمت کی عکاس ہوتی تھیں۔ بلا مبالغہ ان کی تقاریر اتنی موثر ہوتیں کہ سامعین بیان کے سمندر میں مستغرق ہو جاتے اور انہیں دنیا و مافیھا کی کچھ خبر نہ

ہوتی اور وہ ہمہ تن گوش ہو کر ملفوظات کی چمک دمک اور رونق میں گم ہو جاتے۔ ان کی فصاحت، مؤثر قوت استدلال، عمیق بصیرت سننے والوں کو ان کے علم و حکمت کا قائل کر دیتی۔ ہر علمی مجلس یا عام محفل میں آپؒ کی گفتگو کی تاثیر اس قدر ہوتی کہ حاضرین از خود آپکے اسلوب اور انداز کے مدّاح بن جاتے۔ مولانا حبیب الرحمن مرحوم نے آپکی سوانح والی تحریر کے آخر میں لکھا ہے کہ "مشتے نمونہ از خروارے" یعنی والد محترم کی خوبیاں متنوع اور بے شمار ہیں، یہاں ان اوصاف کی ادنی جھلک پیش کی گئی ہے۔

باباجی مرحوم کی کچھ یادوں اور متفرق واقعات کا سلسلہ جاری ہے۔ گاؤں کوز کلے مارتونگ کے رہائشی ایک مؤقر و معتمد پختون مشر حاجی جہان سید مرحوم مولانا انعام اللہ باباجی نور اللہ مرقدہٗ کو بڑی پیار و عقیدت سے "آزاد صاحب" اور کبھی "مولانا آزاد" کہہ کر پکارتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ موصوف کی تقاریر بہت عمدہ اور پر اثر ہوتی تھیں۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ انہوں نے ہر تقریر کے لئے مہینوں محنت کی ہے۔

باباجی مرحوم کے لئے حاجی صاحب مرحوم و مغفور کی طرف سے "آزاد صاحب" یا "مولانا آزاد" کے القابات دینا اصل میں مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ تھا، جو ہندوستان کی تحریک آزادی کے اہم رہنما، بے مثال مصنف و ادیب اور انڈین نیشنل کانگرس کے سینئر لیڈر تھے۔ آزاد مرحوم نے ایک طویل عرصے تک تعلیم اور قومی یکجہتی کے لئے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی بصیرت اور عزم مصمّم کی بنیاد پر آپؒ بھارت کے پہلے وزیر تعلیم

مقرر ہوئے۔

سنڈیری مارتونگ کے رہائشی مرزا عبد الباعث صاحب جو مارتونگ تحصیل میں مرزا (منشی) کے عہدے پر فائز رہ چکے ہیں، نے باباجی مرحوم کے بارے میں بتایا کہ مولانا انعام اللہ مرحوم میانہ قد کے مالک تھے، بہت لمبے تھے نہ پست قامت، بہت دبلے پتلے تھے نہ زیادہ فربہ جسم۔ آپؒ کی قدو قامت متوازن اور باوقار تھی جو آپؒ کی جسمانی وجاہت کی عکاس تھی۔ عوامی محافل، مذہبی اجتماعات جیسے عیدین کی تقاریب، استسقاء کی نماز یا دیگر مواقع پر مولانا مرحوم تقریر کے دوران قرآن کریم یا کوئی اور کتاب اپنے ہاتھ میں اٹھا کر کھڑے ہو جاتے اور بڑی پر کشش انداز میں عوام سے خطاب فرماتے۔ آپؒ قران کریم کی آیات کے حوالے دے کر متعلقہ مثالیں پیش فرماتے۔ آپؒ کا علم اتنا گہرا ہوتا کہ ہم انگشت بدنداں رہ جاتے۔

منزکلے مارتونگ کی ایک معزز و معتمد شخصیت علی بہادر ایڈوکیٹ صاحب نے باباجیؒ کے بارے ہمیں بتایا کہ میں نے اپنے بچپن میں انہیں دیکھا اور سنا۔ میرے والد مرحوم انتقال کے وقت ان کے پاس موجود رہے۔ دراصل آپؒ ایک غیر معمولی شخصیت کے حامل تھے۔ نہ صرف گفتار کے، بلکہ کردار کے بھی غازی رہے۔

مصنف اور ان کے چچازاد بھائی نفاذ الدین صدیقی کی ملاقات محترم پختون مشر شفاء الملک استاد صاحب سے ہوئی، جنہوں نے قاضی صاحب کے ساتھ بیتے ہوئے انمول لمحات کو محبت و عقیدت کے ساتھ یاد کیا۔ استاد صاحب نے قاضی صاحب کے لیے نہایت احترام اور والہانہ عقیدت کا

اظہار کرتے ہوئے انہیں اپنا محسن، مربی اور راہنما قرار دیا۔

گفتگو کے دوران انہوں نے قاضی صاحب کی بے مثال فصاحت و بلاغت، علمی وسعت اور مختلف علوم پر گہری دسترس کا تفصیل سے ذکر کیا، بالخصوص جغرافیہ، تاریخ اور سیاست جیسے اہم موضوعات میں ان کی غیر معمولی مہارت کا تذکرہ دلنشین انداز میں کیا۔

جب قاضی صاحب جغرافیہ پر لب کشائی کرتے، تو اپنی انگلیوں کی جنبش سے گویا نقشہ کھینچتے، کسی ملک کی سرحدوں، جغرافیائی خدوخال اور ہمسایہ ممالک کی وضاحت ایسی سادگی اور جامعیت سے کرتے کہ سننے والا حیرت میں ڈوب جاتا۔ نسلوں اور مذاہب کی تقسیم، تہذیبوں کی رنگارنگی اور اقوام کی تاریخ کو وہ اس انداز میں بیان کرتے کہ دل عش عش کر اٹھتا۔

تاریخ کے اوراق پر جب وہ روشنی ڈالتے، تو ان کی گفتگو کی گہرائی اور جزئیات نگاری سننے والے کو اس کیفیت میں لے جاتی کہ گویا صدیوں کے واقعات، شخصیات اور افکار آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگتے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ایک چلتا پھرتا خزانہ علم و حکمت کے جلوے بکھیر رہا ہو۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مولانا حبیب الرحمنؒ، جو قاضی صاحب کے صاحبزادے تھے، پنج وقتہ نمازوں کی ادائیگی میں مسجد کی حاضری کو لازم جانتے تھے۔ ہر فرض نماز کے لیے باقاعدگی سے مسجد تشریف لے جاتے، مگر عشاء کی نماز میں ان کی عدم موجودگی قاضی صاحب کی باریک بین نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔

ایک روز قاضی صاحب نے استفسار فرمایا "بیٹا، تم عشاء کی نماز مسجد میں کیوں نہیں پڑھتے؟ مولانا حبیب الرحمن نے خاموشی اختیار کی اور کوئی جواب نہ دیا۔ اگلے روز جب قاضی صاحب نے دوبارہ یہی سوال دہرایا تو مولانا نے مؤدبانہ انداز میں عرض کیا کہ

"والد محترم! آپ اور آپ کے تمام فرزند مسجد میں نماز کے لیے جاتے ہیں۔ اگر میں بھی چلا جاؤں تو گھر میں کوئی مرد باقی نہ رہے گا اور آپ بہتر جانتے ہیں کہ گھر کی حفاظت فرضِ عین ہے۔" یہ سن کر قاضی صاحب کے چہرے پر ایک اطمینان بھری مسکراہٹ بکھر گئی۔ انہوں نے بیٹے کی بصیرت اور دینداری کو دل سے سراہا اور خاموشی میں رضامندی کا اظہار کر دیا۔

محترم مشر شاہین صاحب، جن کا تعلق شگہ، مارتونگ سے ہے، ایک ملاقات کے دوران منز کلے باباجی کا ذکر بڑی محبت اور عقیدت سے کر رہے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ "منز کلے باباجی میرے نانا تھے، اور مجھ سے گہری شفقت فرماتے تھے۔ جب ان کا وصال ہوا، اُس وقت میری عمر دس یا بارہ برس کے لگ بھگ تھی۔ میں اکثر منز کلے جایا کرتا تھا، تو باباجی خود مجھے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے ساتھ گھر لے جاتے۔ دادی جان میرا خیال رکھتیں، اور باباجی کتابوں میں مصروف ہو جاتے۔ وہ مطالعے میں اس قدر منہمک ہو جاتے کہ انہیں یہ بھی یاد نہ رہتا کہ نواسا ساتھ آیا ہے اور اُسے خود لے کر آئے ہیں۔" انہوں نے باباجی مرحوم کے تذکرے تازہ کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ "مجھے آج بھی وہ لمحہ یاد ہے کہ وفات سے ایک روز قبل وہ ایک پروگرام میں کرسی پر تشریف فرما تھے۔ جب میں وہاں پہنچا تو انہوں نے مجھے محبت سے اپنے ساتھ کرسی پر بٹھایا اور شفقت فرمائی۔" شاہین

صاحب نے بات کے اختتام پر کہا کہ "باباجی جیسے لوگ کم ہی پیدا ہوتے ہیں۔ وہ نہ صرف ایک نیک اور باکردار انسان تھے بلکہ ایک باعمل، سنجیدہ اور بلند پایہ عالم دین تھے۔ اُن کی شخصیت آج بھی ہمارے دلوں میں زندہ ہے۔"

ایک دن کا واقعہ ہے کہ ایک شخص مولانا انعام اللہؒ کے پاس آیا۔ کہنے لگا، کہ قاضی صاحب! قیامت آنے والی ہے۔ میں نے رات کو آسمان پر تاروں کو حرکت کرتے دیکھا ہے۔ پہلے کبھی ایسا منظر نہ دیکھا تھا۔ مولانا نے جواب دیا کہ یہ قیامت کی علامت نہیں ہے۔ یہ وہ سیارے ہیں جو سائنس دان خلا میں بھیجتے ہیں۔ یہ سیارے معلومات جمع کرنے، موسم کی نگرانی کرنے اور دیگر سائنسی مقاصد کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

محترم افسر الملک ایڈوکیٹ سے ایک ملاقات میں باباجیؒ کے متعلق ایک استفسار کے جواب میں انھوں نے فرمایا کہ منزکلے باباجیؒ کی یادیں اُن (ایڈوکیٹ صاحب موصوف) کی یاداشت میں بخوبی محفوظ ہیں۔ باباجی عموماً اپنی جیب میں رائج الوقت چھوٹے سکے رکھتے تھے، اور جب راستے میں بچے انہیں سلام کرتے، تو وہ شفقتاً انہیں ایک ایک سکہ عنایت فرمایا کرتے تھے۔ انہوں نے مزید بتایا کہ باباجی سماجی مسائل کے حل کرنے میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے، اور جب بھی کوئی جرگہ منعقد ہوتا، تو ان کی موجودگی کو لازم سمجھا جاتا۔ آپؒ کی مہمان نوازی کا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جب کبھی کوئی خاص مہمان منزکلے تشریف لاتے، تو اُن کی ضیافت واکرام کے انتظامات تین مرحلوں میں تقسیم ہو جاتے تھے۔ پہلے اور دوسرے مرحلے میں بیگم خیل کے دو

خاندانوں کی طرف سے معزز مہمانوں کی ضیافت ہوتی جبکہ تیسرے مرحلے میں باباجی مرحوم کی طرف سے اُن کی مہمان نوازی ہوتی۔

میرے محترم استاد، ڈاکٹر فضل ربی صاحب، نے ایک بار گفتگو کے دوران مجھ سے ذکر کیا کہ مارتونگ میں ایک جلیل القدر عالم دین ہوا کرتے تھے، جنہیں لوگ "قاضی صاحب" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ وہ منطق اور فلسفہ کے نہایت ماہر استاد تھے، اور ان کے علم و تدریس کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ دور دراز کے طلبہ ان سے اسباق لینے کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ڈاکٹر صاحب مولانا قاضی انعام اللہؒ کی طرف اشارہ فرمارہے تھے۔

تقویٰ، طہارت، علمیت اور دلیری

آپؒ فی الواقع ایک متقی اور پرہیز گار شخصیت تھے۔ تقویٰ وطہارت کے ساتھ ساتھ اُن کو اسلامی علوم وفنون پر کامل عبور حاصل تھا۔ آپؒ تفسیر جلالین شریف میں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ یہ ایک ایسی تفسیر ہے جس میں قرآنی آیات اور عربی تفسیر اس انداز سے لکھے گئے تھے کہ دورانِ تلاوت آیاتِ قرآنیہ اور تفسیر کے متن میں فرق کرنا مشکل ہوتا تھا۔ اسی بناء پر اس تفسیر میں تلاوت کرنا ایک نازک اور دقیق عمل سمجھا جاتا تھا۔ ممکن ہے کہ جلالین شریف کے موجودہ طباعتی نسخوں میں یہ پیچیدگی جدید تقاضوں کے مطابق دور کر دی گئی ہو۔ تفسیر جلالین شریف کو پہلے پہل علامہ جلال الدین محلیؒ نے 1459ء میں مرتب کرنا شروع کیا تھا۔ آپؒ کی وفات کے بعد علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے 1505ء میں اسے مکمل فرمایا۔ اسی وجہ سے اسے تفسیر جلالین شریف کہا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جلال نام کے دو مفسرین نے اسے مرتب فرمایا ہے اور قرآن پاک کی شہرہ آفاق اور مقبول تفسیر مانی جاتی ہے۔

باباجی مرحوم یکسوئی سے عبادت کا بہت ذوق رکھتے تھے۔ آپؒ اکثر آخری رات کے اندھیرے میں گاؤں منزکلے کی ندی کے کنارے تشریف لے جاتے اور وہاں وضو کر کے تہجد کی نماز ادا کرنے لگ جاتے۔ ایک بار ایک آدمی نے رات کے سناٹے میں ایک شخص کو نقل و حرکت کرتے ہوئے دیکھا، جب وہ تجسس کے باعث ان کے قریب گیا تو اسے معلوم ہوا کہ منزکلی باباجی صاحب تہجد کی نماز میں محو ہیں اور رب تعالیٰ سے راز و نیاز میں مشغول ہیں۔

حضرت باباجیؒ رات کے وقت گاؤں کی حفاظت کے لئے کبھی کبھار گشت بھی فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ گاؤں کے ایک پشتون کا گوالا رات کی تاریکی میں اپنے مویشیوں سے دودھ دوہنے جارہا تھا تو اسے یوں محسوس ہوا کہ کوئی اللہ کا بندہ اس کے پیچھے آرہا ہے۔ جب وہ گوالا ایک جگہ پہنچا تو کسی نے پشت کی جانب سے آواز دی کہ تم کون ہو اور کیا کر رہے ہو؟ موشیوں سے دودھ دوہنے کے لئے جانے والے شخص نے خوف زدہ ہو کر جواب دیا کہ وہ فلاں ہے اور باڑہ (مویشی کے باندھنے اور رکھوالی کا کمرہ) میں جارہا ہے۔ تب اس آدمی کو پتہ چلا کہ اس کے پیچھے آنے والے شخص مولانا انعام اللہ مرحوم ہیں جو گاؤں کے محو خواب لوگوں کی حفاظت کے لئے رات کے اندھیرے میں چوکس اور کمربستہ ہیں۔ اس واقعے سے آپؒ کی قوی القلبی اور دلیری کا پتہ چلتا ہے۔

بھار سے منزکلے مارتونگ نقل مکانی

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت باباجی مرحوم نے دیوبند سے واپسی پر گاؤں بھار میں عرصہ پندرہ سال تک دینی خدمات انجام دیں۔ اب یہاں سے آگے کی تفصیلات تحریر کی جاتی ہیں۔

مذکورہ مدت گزر جانے کے بعد منز کلے مارتونگ کے بیگم خیل قبیلے کے معزز و موقّر پختونوں نے امامت و خطابت اور دینی خدمات کی انجام دہی کے لئے آپؒ سے مارتونگ آمد کا تقاضا کیا۔ چنانچہ انہوں نے ان معززین کی درخواست قبول فرمائی اور 1940ء کی دہائی میں اپنے اہل خانہ سمیت منز کلے مارتونگ منتقل ہو گئے۔ یہاں آپؒ نے اپنی وفات تک مفوّضہ دینی امور کے علاوہ قضا اور درس و تدریس کے فرائض کی بجا آوری کا سلسلہ جاری رکھا۔

اپنے مقرر کردہ شیڈول کے مطابق آپؒ فجر کی نماز کے بعد اپنے طلبہ کرام کو درس دیتے۔ بعد ازاں تحصیل مارتونگ جا کر عدالتی امور انجام دیتے۔ دوپہر تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ نماز ظہر کے بعد اسباق کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو جاتا۔ مدت العمر آپؒ کا معمول یہی رہا۔

آپ رحمہ اللہ کے طلبہ اور تلامذہ کے بارے کچھ تفصیلات

مولانا کمال الدین المسترشد استاد حدیث و رئیس دارالافتاء جامعہ اسلامیہ کلفٹن کراچی، باباجی کے شاگردوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ " آپؒ کے شاگردوں میں "کرنا" سے "دوڑ میرہ" اور "افغانستان" سے لے کر "ایشیائی ممالک" تک کے طلبہ شامل ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں کثیر تعداد میں فارغ التحصیل علمائے کرام بھی آپؒ کے ہاں دینی علوم میں مزید پختگی و رسوخ حاصل کرنے کے لئے تشریف لاتے تھے۔ باباجی مرحوم تمام کتب خصوصاً "بیضاوی شریف" میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور آپؒ بہت ذوق و شوق اور کمال عرق ریزی و محنت شاقّہ سے اس بلند پایہ تفسیر کا درس دیتے تھے۔ چونکہ طلبہ کو آپؒ کا طریقہ تدریس بہت پسند تھا، اس لئے وہ غور سے سنتے تھے۔ آپؒ فنون کے بڑے ماہر استاد تھے۔

آپؒ کوز کلے مارتونگ کی جامع مسجد میں قائم حضرت مولانا خان بہادر المعروف مارتونگ باباجی رحمہ اللہ کے مدرسے "دارالعلوم نشر العلوم" میں بھی پڑھاتے تھے۔

اُس زمانے میں منز کلے مارتونگ میں کثیر تعداد میں طلبہ مقیم ہوتے تھے۔ آپؒ کے بیشتر شاگرد آج نامعلوم ہیں کیونکہ ان کے اسمائے گرامی اور دیگر معلومات کا ریکارڈ نہیں رکھا گیا اور گردشِ زمانہ نے آپؒ کے تلامذہ کے بارے میں تفصیلات کو بڑی حد تک دھندلا دیا ہے۔

مارتونگ کی ایک بزرگ شخصیت محمد رحیم صاحب نے مجھے بتایا کہ قاضی صاحب اپنے سامنے ایک

بڑی کتاب رکھ کر تشریف فرما ہوتے تھے، ارد گرد بہت سے طلبہ ہوتے تھے اور آپؒ انہیں علم نبویہ سے بہرہ ور فرماتے تھے۔

آپؒ کے چند معروف شاگردوں میں حضرت مولانا رشید احمد مارتونگی رحمہ اللہ بھی شامل ہیں جو مارتونگ باباجی کے فرزند اکبر اور منز کلے باباجی مرحوم کے بھانجے تھے۔ آپؒ بعض کتب پڑھنے کے لئے منز کلے میں اپنے ماموں جان کے ہاں کچھ وقت گزارتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ماموں جان ان سے بے حد محبت کرتے تھے۔ آپؒ انہیں درس دیتے اور پھر سبق دہرانے کا حکم دیتے۔ میں آپؒ کے حکم پر عمل کرتا اور آسانی سے فر فر سبق سناتا۔ یہ دیکھ کر ماموں جان خوش ہو کر داد دیتے اور میری ہمت افزائی فرماتے تھے۔

مولانا رشید احمد مارتونگی رحمہ اللہ بلند پایہ عالم دین تھے۔ جنہوں نے اپنے والد محترم مارتونگ باباجیؒ کے علمی ورثے کو محفوظ کیا اور اسے اگلی نسلوں تک پہنچایا۔ انہوں نے والی سوات کے ریاستی دور میں سرکاری قاضی کے طور پر بھی خدمات انجام دیں اور قرآن و سنت اور فقہ حنفی کے مطابق شرعی فیصلے فرمائے۔

مولانا رفیع اللہ عباسی، جن کا تعلق تاناخیل قبیلے سے ہے۔ کم و بیش اسّی سالہ بزرگ ہیں۔ آپ کا آبائی وطن جدبا، گمبت، تورغر ہزارہ ہے۔ ہل پارک کراچی کے قریب رہائش پزیر ہیں۔ باباجی کے شاگرد رہے۔ حال ہی میں مفتی کمال الدین المسترشد زید مجدہم نے آپ کا ایک انٹرویو کیا۔ انہوں نے منز کلے مارتونگ میں اپنے قیام کے دوران باباجی مرحوم کے ہاں اپنی تعلیمی سرگرمیوں

کا تذکرہ فرمایا۔ "یہ 1950ء کی دہائی کی بات ہے کہ جب وہ (حضرت عباسی زید مجد ہم) باباجی مرحوم کے شاگرد تھے۔ اُس دور کے زیادہ تر طلباء کا تعلق افغانستان سے تھا۔ اُس وقت منز کلے مولوی صاحب کے سب سے چھوٹے بیٹے نعیم الرحمن مرحوم پرائمری سکول میں زیر تعلم تھے۔" انہوں نے مزید فرمایا کہ وہ (مولانا رفیع اللہ عباسی زید مجد ہم) مولانا محمد عارف عباسی کے ہمراہ مارتونگ گئے۔ یہ (مولانا محمد عارف عباسی) مولانا غلام محمدؒ اور مولانا مخدومؒ کے چھوٹے بھائی تھے، جو اصل میں "چیر، تورغر" کے باشندے تھے اور بعد میں کراچی منتقل ہو گئے۔ انہوں نے بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ مولانا محمد عارف عباسی عمر میں اُن سے بڑے تھے اور اس وقت آپؒ باباجی مرحوم کے ہاں منز کلے میں مقیم تھے۔ بعد میں انہوں نے افواج پاکستان میں خطیب کے طور پر دینی و مذہبی خدمات انجام دیں اور 4 نومبر 2024ء کو انتقال فرما گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔ آپؒ کے ایک فرزند فوج میں ملازمت کرتے ہیں۔

مولانا انعام اللہ مرحوم کے ایک اور ممتاز شاگرد حضرت مولانا مغفور اللہ زید مجد ہم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے شیخ الحدیث ہیں اور حقانیہ کے سینئر ترین اساتذہ میں ان کو ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔

مولانا نصیب خیل مرحوم بھی منز کلے باباجی صاحب کے شاگرد تھے۔ یہ دونوں یعنی حضرت مولانا مغفور اللہ باباجی دامت برکاتہم اور مولانا نصیب خیل مرحوم اُس زمانے میں ایک ساتھ مارتونگ میں مقیم رہے۔ مولانا رفیع اللہ عباسی نے مزید فرمایا کہ حضرت مولانا مغفور اللہ زید مجد ہم، مولانا

فضل المولیٰ رحمہ اللہ اور مولانا نصیب خیل مرحوم مجھ سے کئی سال بعد منز کلے باباجی صاحب کے شاگرد رہے۔

حضرت مولانا مغفور اللہ زید مجدہم نے مولانا کمال الدین المسترشد کے استفسار پر منز کلے مار تونگ میں اسباق پڑھنے کے زمانے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کس طرح وہ اور مولانا نصیب خیل نماز فجر کے لئے کوز کلی سے منز کلی جاتے تھے۔ کبھی اس طرح ہوتا کہ ہم کوز کلے سے روانہ ہو کر منز کلی جامع مسجد میں بر وقت پہنچ جاتے اور حضرت استاد محترم کی امامت میں نماز فجر ادا کرتے تھے۔ کبھی کبھار دیر ہونے کی وجہ سے کوز کلی اور منز کلی کے ایک درمیانی مقام "توتانو" میں نماز پڑھتے اور فجر کی نماز کے بعد آپؒ کی "مطول" کی کلاس میں شرکت فرما کر مزید پڑھائی کے لئے کوز کلی واپس جاتے تھے۔ منز کلی میں مغفور اللہ باباجی کے سبق پڑھنے کا یہ تذکرہ ڈاکٹر عبد الستار آزاد کے مضمون "مولانا کمال الدین المسترشد کے کمالات علمی" میں بھی موجود ہے۔ یہ مضمون اخبار روزنامہ " آج صبح "راولپنڈی میں چھپ چکا ہے۔ مغفور اللہ باباجی نے مولانا سبحان یوسف زئ کو بتایا کہ حضرت استاد محترم اُن کے لئے صبح کے وقت چائے اور مکئی کی روٹی لے کر آتے تھے۔ موصوف کو اپنے استاد مرحوم کا یہ عمل اتنا محبوب نظر آنے لگا کہ فراغت اور کامیابی کے بعد آپ بہ وقت صبح اپنے مہمانوں کی ضیافت و اکرام چائے اور مکئی کی روٹی سے فرماتے تھے اور ابھی تک اسی طریقے پر کاربند ہیں۔

باباجی مرحومؒ کے شاگردوں کا ذکر جاری ہے تو یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ مولانا عالم صاحب

اور مولانا حکیم داد ساکن "کنڈرو تورغر" آپؒ کے شاگردوں میں شامل ہیں۔

ایک اور شاگرد مولانا نور الہدی، جو کہ کنڈرو، تورغر کے صابیاق (صاحب حق) کے نام سے بھی جانے جاتے تھے اور اصول فقہ کے ماہر استاد تھے۔ آپؒ اکثر باباجی مرحوم کی گہری علمیت اور اسلامی علوم میں اان کی بے مثال مہارت کی تعریف کرتے تھے۔

مذکور بالا مولانا حکیم داد جو شیخ القرآن تھے اور قرآن کریم کا مشہور درس دیا کرتے تھے، اکثر یہ تذکرہ فرماتے تھے کہ وہ منزکلی باباجیؒ کے شاگرد رہے اور اپنے تعلیمی دورانیے میں منزکلی میں مقیم رہے ہیں۔ آپؒ باباجی مرحوم کی ذہانت، قابلیت، بلند پایہ استعداد اور غیر معمولی معیاری طریقہ تدریس کو بار بار سراہتے تھے۔

باباجی مرحوم کے شاگردوں میں مولانا محمد دائم صاحب المعروف بنڑگا باباجی ساکن "شوکر مارتونگ" بھی شامل تھے۔ جب آپؒ نے باباجی مرحوم سے کتابیں پڑھیں تو آپکو حکم ہوا کہ کچھ کتابیں میرے بیٹے مولانا حبیب الرحمن (مرحوم) کو پڑھائیں۔ چنانچہ اپنے استاد محترم کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے یہ کتابیں آپؒ کے فرزند ارجمند کو پڑھائیں۔ ان کتابوں میں خلاصہ اور منیۃ المصلی شامل ہیں۔ مولانا انعام اللہ مرحوم نے فرمایا کہ میں نے مولانا محمد دائم کو اس وجہ سے اُسے پڑھانے کا حکم دیا کیونکہ میں نے اپنے بچے کے لیے استاد تیار کر رکھا ہے، ورنہ یہ کتابیں تو میں خود بھی اپنے بیٹے کو پڑھا سکتا تھا۔ مولانا حبیب الرحمٰن بنڑگا باباجی کو، ادب و احترام کے جذبے سے سرشار ہو کر، صابیاق صاحب کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ محترم عبد الرحمٰن

صاحب، جو ڈیری مارتونگ کے معزز باشندے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ بنڑ گا باباجی، مولانا انعام اللہ باباجی مرحوم کے نہایت مخلص اور معتمد شاگردوں میں شمار ہوتے تھے۔ جب کبھی کوئی خدمت درپیش آتی، مولانا مرحوم حکم صادر فرماتے کہ فلاں کام انجام دینا ہے، اور بنڑ گا باباجی سراپا اطاعت بن کر خوش دلی سے اسے نبھاتے۔ ایک مرتبہ اتفاقاً ایسا ہوا کہ مہمانوں کی آمد پر ان کی ضیافت کے لئے مرغیوں وغیرہ کا بندوبست درکار تھا، مگر اس زمانے میں بازاروں میں ان اشیاء کا ملنا سہل نہ تھا۔ لہٰذا مقامی طور پر تلاش کر کے دیسی مرغیاں خریدی جاتی تھیں۔ اسی غرض سے بنڑ گا باباجی کو کوٹکے مارتونگ روانہ کیا گیا، جہاں انہوں نے مہمانوں کے لیے مرغیوں کا انتظام فرمایا۔

مولانا محمد دائم صاحب المعروف بنڑ گا باباجی مرحوم نے استاد محترم کے خاندان سے اپنے روایتی تعلق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ قضائے الٰہی سے غلام اکبر مرحوم (مولانا انعام اللہ مرحوم کے والد محترم) کے ایک بیٹے (مسمّٰی ذاکر اللہ متوفّٰی 1907) عنفوانِ شباب میں بمقام بہار سینکڑئی انتقال فرما گئے۔ سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بنڑ گا باباجیؒ نے فرمایا کہ مجھے یاد ہے کہ میرے والد مرحوم نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے تعزیت کے لئے بہار جاتے وقت اپنے گھر والوں کو بتا دیا تھا کہ میں بہار جا رہا ہوں تا کہ بہار کے صابیاقان (اصحابِ حق) سے تعزیت کر کے ان کی دلجوئی کر سکوں کیونکہ وہ مغموم ہوں گے۔

آپؒ کے تلامذہ کا ذکر خیر جاری ہے تو اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹوں مولانا شمس الرحمن، مولانا حبیب الرحمن، مولانا خلیل الرحمن، مولانا جمیل الرحمن اور جناب نعیم الرحمن کی تعلیم میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور بذات خود انہیں پڑھایا۔ چنانچہ آپکی ذاتی محنت اور نیک دعاؤں کی بدولت آپؒ کے تمام بیٹے اہل علم و عرفان بن گئے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آپؒ کے بڑے بیٹے مولانا شمس الرحمن مرحوم نے دارالعلوم حقانیہ سیدو شریف سوات سے سند فضیلت حاصل کی اور یوسف زئی کے ریاستی دور میں ایک معلم کے طور پر خدمات انجام دیں۔ دوسرے نمبر پر مولانا حبیب الرحمن مرحوم نے مدرسہ مظہر العلوم کڈھ مارکیٹ کراچی سے سند فضیلت حاصل کی اور وفاق المدارس العربیہ ملتان سے دورۂ حدیث میں اعلیٰ پوزیشن لیکر پاس ہوئے۔ آپؒ تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول فقہ میں غیر معمولی مہارت اور ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ آپؒ نے اصلاح بین الناس کی خاطر متعدد شرعی فیصلے انتہائی مدلّل انداز میں تحریر فرمادیے تھے۔ آپؒ مارتونگ باباجی کے بھی شاگرد تھے۔ دارالعلوم حقانیہ سیدو شریف سوات میں علم تفسیر میں جلالین شریف، بیضاوی شریف، احادیث میں مشکوٰۃ المصابیح، عقائد میں شرح عقائد النسفی، خیالی، شرح مواقف مع مرزا کلاں، فقہ میں شرح الوقایہ، اصول میں اصول الشاشی، فصول الشاشی، معانی میں مختصر المعانی، مطول درسی، منطق میں قاضی مبارک، حمد اللہ، ملا جلال، میر زاہد، قطبی غلام یحیٰی، فلسفہ میں میبذی، صدرا، نحو میں شرح ملاجامی، اور ادب میں دیوان الحماسہ، سبع معلقہ، نفحۃ العرب، دیوان متنبی پڑھ چکے تھے۔ آپ کی سند میں مذکورہ بالا کتب کی

تفصیل کے بعد آخر میں صدر مدرس حقانیہ مولانا خان بہادر عفی عنہ المعروف مارتونگ باباجی کے دستخط ثبت ہیں۔ مولانا مرحوم پہلے ریاستی دور میں اور بعدازاں حکومت کے پی کے شعبہ ایجوکیشن میں معلم دینیات رہے۔ تیسرے نمبر پر مولانا خلیل الرحمن مرحوم مسجد دارالسلام صدر کراچی کے امام و خطیب رہے۔ چوتھے نمبر پر مولانا جمیل الرحمن مرحوم اہل علم سے محبت کرنے والے اور زاہد و تارک الدنیا آدمی تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹوں میں خاص طور پر مولانا کمال الدین المسترشد کو بلند پایہ عالم دین بنانے میں بہت محنت کی اور عُسرت کی زندگی کو ترجیح دے کر مولانا موصوف کو اہل علم بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ یہی وجہ ہے کہ آج مولانا کمال الدین المسترشد زید مجدہم جامعہ اسلامیہ کلفٹن کراچی میں شیخ الحدیث اور دارالافتاء کے رئیس کے عہدوں پر فائز ہیں۔ مولانا انعام اللہ باباجی مرحوم کے بیٹوں میں آخری بیٹے جناب نعیم الرحمن مرحوم ایجوکشن کے پی کے میں معلم تھے۔

مولانا انعام اللہ مرحوم اور مولانا خان بہادر مارتونگ باباجی کی آپس میں قرابت کا کچھ تذکرہ

آپؒ مارتونگ باباجیؒ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ دونوں بزرگوں کے درمیان نہ صرف قرابت داری تھی بلکہ عقیدت و محبت پر مشتمل گہرا دوستانہ تعلق بھی تھا۔مارتونگ باباجیؒ کی شریکۂ حیات، سید اکبر مرحوم جو غلام اکبر مرحوم کے بھائی تھے، کی بیٹی تھی۔ غلام اکبر مرحوم مولانا انعام اللہ باباجیؒ کے والد محترم تھے۔ باباجی مرحوم مارتونگ باباجیؒ کو محبت سے مارتونگ مولوی صاحب کہہ کر پکارتے تھے اور اکثر و بیشتر نجی ملاقاتوں اور مجالس و محافل میں اُن کا ذکر خیر اور تعریف و توصیف فرماتے تھے۔ مارتونک باباجی رحمہ اللہ آپؒ کے گھر واقع منز کلی تشریف لاتے جہاں دونوں بزرگ مثنوی کے اشعار ایک ساتھ ترنم سے پڑھ کر محظوظ ہوتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مارتونگ باباجیؒ اور منز کلے باباجیؒ کی آوازیں نہایت سریلی تھیں، اور جب وہ دونوں فارسی مثنوی کو ترنم کے ساتھ ایک ساتھ پڑھتے، تو حاضرین بے اختیار داد و تحسین دینے لگتے۔

منز کلی مارتونگ میں تعلیمی سرگرمیوں کے زمانے میں ایک مرتبہ مولانا خان بہادر رحمہ اللہ نے مولانا انعام اللہ مرحوم کو حدیث مبارک کی بلند پایہ کتاب مشکوٰۃ المصابیح کو پشتو میں ترجمہ کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اس پر کام شروع بھی ہوا۔ مارتونگ باباجی مرحوم خود اس کام کی نگرانی فرمارہے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس ترجمہ کی تحریر کے لئے کاغذ ریاست کی طرف سے فراہم کی جاتی تھیں۔ کبھی کبھار ایسا موقع بھی آتا کہ مذکور کاغذ کی مطلوبہ مقدار بر وقت نہ پہنچ پاتی، جس کی وجہ سے

تحریری کام تاخیر کا شکار ہو جاتا تھا۔ اگرچہ اس کا کچھ حصہ مکمل ہو چکا تھا۔ لیکن باباجی مرحوم اس کو مکمل کرنے سے پہلے ہی اس دار فانی سے کوچ فرما گئے۔

مشکوٰۃ المصابیح کا تذکرہ ہو چلا ہے تو یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ مشکوٰۃ المصابیح علامہ ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزیؒ کی تصنیف ہے۔ یہ دراصل علامہ البلاغوری رحمہ اللہ کی "مصابیح السنۃ" کا ایک توسیع شدہ اور نظر ثانی شدہ نسخہ ہے۔ خطیب تبریزیؒ نے اس اصل متن کو علم حدیث میں غیر ماہر اہل علم کے لئے بھی زیادہ قابل رسائی ترقی کا زینہ بنایا۔ اس معروف و مقبول کتاب یعنی مشکوٰۃ میں کل 5945 احادیث مبارکہ شامل ہیں جو 29 ابواب میں مقسوم ہیں۔ یہ احادیث مبارکہ کا ایک معتبر مجموعہ سمجھا جاتا ہے۔ مشکوٰۃ کی زیادہ اہمیت اس کے حسن ترتیب اور موضوعات کی وسعت کے اعتبار سے ہے۔ نیز احادیث مبارکہ کی صحت کے اعتبار سے بھی اس کتاب کا معیار اعلی و ارفع ہے۔ اس کتاب میں مختلف پہلوؤں سے احادیث مبارکہ کا احاطہ کیا گیا ہے۔ جیسے کہ عقائد، عبادات، اخلاق اور معاشرتی اصولوں کی حدیثیں اس میں شامل ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اس کتاب کا مقصد علم حدیث کو عام لوگوں تک پہنچانا تھا تا کہ وہ اس سے استفادہ کر سکیں۔ خاص طور پر وہ لوگ جو علم حدیث میں مہارت نہیں رکھتے ہیں۔

ناظر نے جو عقیدت منز کلے باباجیؒ اور مارتونگ باباجیؒ کے درمیان بیان کی ہے، اس کی کیفیت الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ جب بھی منز کلے باباجیؒ، مارتونگ باباجیؒ کے ہاں تشریف لاتے، تو مارتونگ باباجیؒ خوشی سے نہال ہو جاتے۔ دونوں بزرگوں کے درمیان طویل علمی گفتگو کا سلسلہ

جاری رہتا، جس میں علم، حکمت اور روحانیت کی خوشبو محسوس ہوتی تھی۔

مولانا خان بہادر رحمہ اللہ کی، منز کلی باباجیؒ سے شدید محبت کا اندازہ آپ اس ایک واقعے سے لگا سکتے ہیں کہ جس وقت منز کلی باباجیؒ جیپ کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکے تھے اور بعد ازاں آپؒ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس وقت مارتونگ باباجیؒ مارتونگ میں موجود نہیں تھے اور اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے سلسلے میں سیدو شریف سوات میں مقیم تھے۔ آپؒ مارتونگ تشریف لائے تو اپنے محبوب ساتھی و عزیز کے صدمے سے نڈھال ہو کر حاضرین سے اشک بار آنکھوں سے شکوہ کیا کہ میرے دوست کو علاج معالجہ کے غرض سے سیدو شریف سوات کیوں منتقل نہ کیا گیا۔ اب (تم ایسا کرو کہ) مجھے اُن کے گھر (واقع منز کلی) لے چلو۔ چنانچہ حسب الحکم لوگ حضرتؒ کو پالکی میں بٹھا کر منز کلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ اُس زمانے میں سڑکیں اور گاڑیاں نہیں تھیں اس لئے لوگ عموماً معمّر افراد، مریضوں اور معذورین کو ڈولی (پالکی) میں بٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے تھے۔ حضرت رحمہ اللہ نے منز کلی میں باباجی مرحوم کے گھر میں اہل خانہ سے مسنون تعزیت فرمائی اور پسماندگان کی خوب دلجوئی فرمائی۔ آسمان ان دونوں بزرگوں کی قبور پر شبنم آفشانی کرے۔ منز کلی کی طرف مارتونگ باباجی مرحوم کو پالکی میں بٹھا کر لے جانے والوں میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ وہ اپنے جس کندھے سے باباجی مرحوم کو اٹھائے ہوئے تھا اُس میں اس سے قبل شدید درد تھا۔ جیسے ہی اُس اللہ کے بندے نے وہی درد زدہ کندھا دے کر پالکی کو اٹھایا تو وہ درد ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ الحمد للہ یہ مارتونگ باباجیؒ کے فیوضات و برکات اور کرامات

کا ایک کرشمہ تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اس حادثہ فاجعہ کے دوماہ بعد مارتونگ باباجیؒ ضعف وناتوانی کے باعث اپنے تدریسی مشاغل کی ذمہ داریوں سے قاصر وسبک دوش ہوکر واپس مارتونگ تشریف لائے تھے۔

مولانا انعام اللہ مرحوم کا والی ریاست سے خصوصی تعلق

ایک بار ایسا ہوا کہ برطانیہ کی ملکہ الزبتھ سوات تشریف لائیں۔ اُن کی آمد پر منگورہ اور سیدو شریف کو دلہن کی طرح سجایا گیا، مہان ملکہ کے اعزاز میں مختلف تقریبات کا اہتمام کیا گیا اور تحفے کے طور پر قیمتی پتھر (زمرد) کا ایک ہار بنوا کر ان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس جشن اور گہما گہمی میں اشیائے ضروریہ بھی مہنگے ہونے لگے۔ اس مہنگائی کے اثرات مارتونگ پر بھی پڑنے لگے۔ اب ہوا یوں کہ کسی شخص نے منز کلی باباجیؒ سے شکایت کی کہ اب فلاں چیز مہنگی ہو کر اتنے روپے فی سیر بکنے لگی ہے۔ حضرت نے شکایت کنندہ سے فرمایا "میں تحصیل جا کر، تیری شکایت والی صاحب تک پہنچادونگا"۔ چنانچہ انہوں نے تحصیل مارتونگ سے والی کے ساتھ ٹیلیفونی رابطہ کر کے اپنا مدعٰی بیان فرمایا۔ والی صاحب نے مسکرا کر جواب دیا "جی میں قیمت کم کر دوں گا"۔ باباجیؒ کی اس سفارش سے وہ چیز سستی ہوئی یا نہیں؟ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے، کیونکہ صاحبِ بیان کی تصریح میں یہ وضاحت موجود نہیں، البتہ اس واقعے سے یہ بالکل واضح ہے کہ منز کلی باباجی نور اللہ مرقدہٗ کا حکمران ریاست سوات کیساتھ قوی اور گہرا تعلق ضرور تھا، والی ریاست سوات آپؒ کا بہت پاس ولحاظ کرتے تھے اور ان کے قلب میں باباجی کی بہت عقیدت جاگزین تھی۔

باباجی مرحوم کی ریاست کے لئے دینی خدمات کا اندازہ آپ اس بات سے لگاسکتے ہیں کہ جب آپؒ کی ریٹائرمنٹ میں چھ سال باقی رہ گئے تو انہوں نے حکمران ریاست سوات سے درخواست کی کہ "مجھ سے ریٹائرمنٹ لے لیجئے کیونکہ میری ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں، عمر کے تقاضے کی وجہ سے

میرے ناتواں کندھے اس بار امانت کو نہیں اٹھاسکتے، اب شاید میں ان ذمہ داریوں کو مزید نہ نبھا سکوں"۔ والی صاحب مرحوم نے مسکرا کر انہیں جواب دیا کہ "میں تو آنجناب کی خدمات کے دورانیے میں پانچ سال کا اضافہ کرنے کا خواہاں ہوں، کیونکہ آپ اُن گنے چنے افراد میں شامل ہیں، جن کی ریاست کو اشد ضرورت ہے"۔

ریاست سوات میں قُضاۃ کی تقرری کا طریقہ کار

چونکہ مولانا انعام اللہ مرحوم ریاست سوات میں قاضی کے عظیم منصب پر فائز تھے اور اسلامی شریعت کے موافق لوگوں کے تنازعات کے تصفیہ کے لئے شرعی فیصلے فرمایا کرتے تھے۔ اسی مناسبت سے قضاۃ کی تقرری کے طریقہ کار کی کچھ تفصیل بیان کی جارہی ہے۔ بیشتر محققین اور خاص لوگوں کا عمومی تاثر یہی ہے کہ ریاست سوات کے حکمرانوں نے کبھی بھی قضاۃ کی تقرری کا اختیار کسی فرد یا کمیٹی کو تفویض نہیں کیا، بلکہ یہ اختیار خود ان کے پاس محفوظ رہا۔ یہ ایک معروف حقیقت ہے کہ آخری فیصلہ (حکم) ہمیشہ والی کے ہاتھ میں ہوتا تھا، البتہ وہ قاضی کے انتخاب کے وقت علمائے کرام سے مشاورت ضرور کرتے تھے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ والی (حکمران) سوات قضاء کے منصب کے لئے 1945ء تک دارالعلوم دیوبند، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور اور مدرسہ شاہی مراد آباد فتح پوری جیسے ممتاز حنفی مدارس کے فارغ التحصیل علمائے کرام کو ترجیح دیتے تھے۔ مزید یہ کہ محکمہ عالیہ قضاء کے قیام کے بعد ہر فیصلے کی توثیق دارالعلوم اسلامیہ حقانیہ سیدو شریف کے علمائے کرام کی ایک کمیٹی سے لازماً کروائی جاتی تھی۔

1943ء میں جب بادشاہ صاحب نے ریاست کی وسعت کو مدنظر رکھتے ہوئے ریاست میں مدارس کے فضلاء کی محدود تعداد کے باعث مزید قاضیوں کی ضرورت کو محسوس کیا تو انہوں نے ایک ایسا ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا جہاں سے وہ علمائے کرام کی مشاورت سے اپنے عدالتی نظام کے لئے قضاۃ منتخب کرسکیں۔ 1950ء میں مذہبی امور کی انجام دہی کے لئے ایک باقاعدہ کمیٹی

تشکیل دی گئی جس کی صدارت مولانا خان بہادر مارتونگی رحمہ اللہ اور بعض دیگر علمائے کرام نے فرمائی، جو انہی مذکورہ مدارس سے وابستہ تھے۔ یہی وہ اکابر علمائے کرام تھے جن سے حکمران ریاست سوات (باچاصاحب مرحوم) قاضیوں کی تقرری کے وقت مشورہ کیا کرتے تھے۔

اس تمہید کے بعد یہ عرض کرتا چلوں کہ مولانا قاضی انعام اللہ مرحوم کی بہ طور قاضی تقرری، ان کے ان ممتاز اداروں سے فراغت اور سند فضیلت کی بنیاد پر عمل میں آئی، جنہیں ریاست یوسف زئ سوات میں قضاۃ کے لئے بنیادی شرط کے طور پر تسلیم کیا جاتا تھا۔ آپؒ کی تقرری صرف تعلیمی معیار کی تکمیل پر منحصر نہ تھی بلکہ اس میں حکمرانِ ریاست سوات کی یہ خواہش بھی شامل تھی کہ ان کے عدالتی حکام نہ صرف علمی اعتبار سے مظبوط ہوں بلکہ انہیں اپنی قوم وملت کے ساتھ ذمہ دارانہ قوی تعلق بھی استوار ہو۔ یہی علمی شرافت وفضیلت اور اخلاقی اتھارٹی کا حسن امتزاج موصوف کو منصب قضا کے لئے موزوں بناتا تھا، تاکہ عدل اسلامی اصولوں اور سواتی روایات کے مطابق برقرار رکھا جاسکے۔

عدالتی نظام اور کاروائی کا کچھ مزید جائزہ

یہ نظام تین بنیادی اجزاء پر مشتمل تھا۔ پہلا جز "رواج" تھا۔ جو کہ روایتی دستور العمل پر مبنی تھا۔ دوسرا جز "والی صاحب کا قانون" تھا جو ریاست سوات کا باضابطہ دستور تھا۔ اس قانون کے تحت والی صاحب مختلف امور کے لئے احکامات اور طریق کار وضع کرتے تھے۔ تیسرا جز "محکمہ قضا" یعنی شریعت کا قانون تھا۔ جب کسی مقدمہ کے لئے درخواست دائر کی جاتی تو حاکم فریقین کو طلب کرتا اور معاملہ روایت، قانون یا شریعت کی بنیاد پر حل کرنے کا اختیار دیتے۔ فریقین کو یہ اختیار دیا جاتا کہ وہ چاہیں تو معاملہ قاضی یعنی محکمہ قضا کے ذریعے، یا کسی اور طریقے، مثلا رواج یا والی کے قانون سے، حل کریں۔ اگر وہ شریعت کے مطابق فیصلہ چاہتے تو کیس کو دار القضاء بھیج دیا جاتا تاکہ شرعی اصولوں کے مطابق فیصلہ کیا جاسکے۔ چونکہ قانون اور رواج محدود دائرے تک ہی موثر تھے، اس لئے زیادہ تر مقدمات کا فیصلہ شریعت کے مطابق کیا جاتا تھا۔ عوام کا رجحان چونکہ شریعت کی طرف ہوتا تو قاضی حضرات شرعی اصولوں کے مطابق فیصلے کرتے، تاکہ انصاف قائم ہو اور فریقین کو بھی قلبی و روحانی طور پر اطمینان حاصل ہو۔ قاضی غفران الدین جو سوات ریاست کے آخری قاضی القضاۃ تھے، کے بقول، یہ بات مشہور کی گئی ہے کہ ریاستی دور میں فیصلے رواج اور شریعت کا ملغوبہ ہوا کرتے تھے لیکن ایسا صرف بادشاہ صاحب کے دور میں تھا۔ والی صاحب کے دور میں ایک آدھ سیاسی فیصلے کے علاوہ تمام تر فیصلے شریعت کی رو سے کیے جاتے تھے۔ ان فیصلوں کے لیے باقاعدہ قاضیوں کی ایک ٹیم ہوا کرتی تھی۔

قاضی صاحب، جو فقہ و اصول فقہ میں ماہر ہوتا تھا۔ مقدمے سے متعلق فقہی مسئلے کا باریک بینی سے جائزہ لیتا اور اس کا مطالعہ کرتا، تاکہ شرعی اصولوں کے مطابق درست اور منصفانہ فیصلہ کیا جا سکے۔ اس ساری کاروائی میں فریقین کو طلب کیا جاتا۔ ہر فریق اپنی بات پیش کرتا۔ ایک فریق دعویٰ (شکایت) کرتا اور دوسرا فریق جواب دعویٰ کرتا۔ فریقین میں سے ہر فریق یہ کوشش کرتا کہ مخالف فریق کے لئے قسم رکھی جائے۔ مدّعِی (دعویٰ کرنے والا) شھادت (گواہ) پیش کرتا۔ یہاں یہ وضاحت کردوں کہ شریعت میں مدّعِی کے لئے (دو گواہ پیش کرنا) اور منکر (انکار کرنے والے) کے لئے قسم ضروری ہے البتہ قاضی کا علم اس طرح کے مقدمات میں ضروری شرط ہے۔ اگر قاضی کو اصل صورت حال کا علم ہو تو وہ فریقین میں کسی بھی فریق کے لئے قسم رکھ سکتا ہے۔ اب ہوتا یہ تھا کہ کسی بڑے آدمی مثلاً صاحب جائداد کے لئے کوئی بھی گواہی دینے کے لئے آمادہ ہو جاتا تھا چاہے جھوٹی گواہی کیوں نہ ہو اس وجہ سے قاضی صاحب اکثر اس کے لئے قسم تجویز فرما کر اسے قسم کھانے کا کہہ دیتے تھے۔ قاضی غفران الدین کے بقول اگر ہمارے فیصلے سے کوئی خوش نہ ہوتا، تو والی صاحب اسے دارالعلوم جانے کا کہتے، جہاں مولانا خان بہادر المعروف مارتونگ باباجی صاحب فیصلے پر نظر ثانی فرماتے تھے۔

مولانا انعام اللہ باباجی مرحوم بہ طور قاضی

باباجی مرحوم اپنی تعلیمی قابلیت اور اشاعت علم کے علاوہ اپنی غیر معمولی ذہانت اور انصاف کے اصولوں کی سختی سے پابندی کے لئے مشہور تھے۔ اسلامی قانون کی تشریح کرنے اور اسے یوسف زئی کمیونٹی کے سماجی و ثقافتی سیاق و سباق میں لاگو اور فٹ کرنے کی، ان کی بے پناہ صلاحیت نے انہیں ایک قابل اور معزز جج کے طور پر مزید مستحکم کیا۔ اُن کی مضبوط اخلاقی خصوصیات بھی ان کی شناخت کا حصہ بنیں، جس کی وجہ سے انہیں سوات کے حکمران، حکام اور عوام سب کا اعتماد حاصل ہوا۔ آپؒ یوسف زئی ریاست سوات کے دور میں خدمات انجام دیتے رہے۔ جنہیں عدل و انصاف کے لئے ان کی غیر متزلزل وابستگی اور انصاف پسندی کے لئے جانا جاتا تھا۔ سال 1940ء سے قبل آپ موضع کابلگرام میں قاضی کے عہدے پر فائز رہے، بعد ازاں تحصیل مارتونگ میں قاضی کے منصب پر رونق افروز ہوگئے، جہاں آپؒ یوسف زئی ریاست سوات کے خاتمے تک اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپؒ کے فیصلے قرآن و سنت کے عین موافق عدل و انصاف پر مبنی ہوتے تھے۔ جس کی وجہ سے انہیں عوام میں بے پناہ عقیدت، محبت اور مقبولیت حاصل تھی اور وہ اُن کا بے حد احترام کرتے تھے۔ آپؒ کے شرعی فیصلوں اور عدل و انصاف کے اصولوں کے نقوش لوگوں کے ذہنوں پر نقش ہیں اور مارتونگ کے باسی جو ابھی تک بقید حیات ہیں، آپؒ کے انصاف کے دور کو آج بھی یاد کرتے ہیں۔

آپؒ کا معمول یہ تھا کہ سرکاری چھٹی کے علاوہ باقی ایام میں روزانہ ہر صبح آپؒ فتاویٰ و دودیہ، جو

اسلامی احکام کا مجموعہ تھا، اپنے ساتھ لے کر تحصیل روانہ ہوتے تھے تاکہ اپنے فرائض انجام دے سکیں۔ یہ کتاب یوسف زئی ریاست سوات کی عدالتوں میں فیصلے صادر کرنے کے لئے قابل عمل ہوتی تھی۔ فقہی احکام کا یہ مجموعہ ریاست سوات میں بادشاہِ وقت کی نگرانی میں مرتب کیا گیا تھا۔ اس کی ترتیب کے لئے اس وقت کے ایک جلیل القدر عالم دین مولانا محمد ابراہیم بازار گوی بونیری کو اجمیر ہندوستان سے بلایا گیا تھا۔ یہ مجموعہ فقہی مسائل بابوزئی پشتو میں تحریر کیا گیا تھا اور اس کی دو جلدیں تھیں، عبادات اور معاملات۔ مولانا محمد ابراہیم مرحوم کو اس علمی کام میں کئی معاونین اور ایک نگران کمیٹی کی معاونت حاصل تھی، جس میں یوسف زئی ریاست سوات کے معزز، موقر اور معتمد اہل علم اور قضاۃ شامل تھے۔ مولانا خان بہادر مارتونگیؒ اس کمیٹی کے سربراہ تھے۔ چونکہ قضاۃ اس بلند پایہ کتاب کی دستیابی کی وجہ سے فقہی کتابوں کی ورق گردانی سے بے نیاز ہو چکے تھے اور وہ اس کتاب کی بنیاد پر شرعی فیصلے کرتے تھے، جس سے اس کتاب کا یوسف زئی ریاست سوات کے عدالتی ڈھانچے میں کلیدی کردار ثابت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی انعام اللہ مرحوم بھی اپنے فیصلے فتاویٰ ودودیہ کی روشنی میں صادر فرماتے تھے۔

علامہ مفتی کمال الدین المسترشد صدیقی زید مجدہم اپنے دادا مرحوم کے زمانے کے ایک فیصلے کے متعلق فرماتے ہیں "آپؒ کے سامنے بہت سارے مقدمات پیش ہوتے تھے۔ تحصیل دار صاحب کے ہاں دادرسی کے لئے بہت کم لوگ آتے تھے۔ زیادہ تر مظلوم، چاہے ان کی زمین چھینی گئی ہو یا دوسرے تنازعات کے لئے استغاثہ ہوتا، قاضی صاحب مرحوم کے پاس انصاف کے حصول کے

لئے آتے تھے۔ یہ کیسز صبح کے اوقات میں تحصیل میں حل ہوتے تھے اور بعد از نماز ظہر مسجد منز کلے مارتونگ میں بھی جرگے اس غرض سے آتے تھے۔ میں اُس وقت کم عمر تھا۔ وہ میرے لڑکپن کا زمانہ تھا۔ ایسے ہی ایک جرگے میں ایک شخص نے مجھے ایک روپے کا چاندی والا سکہ دیا، جو اس دور کا ایک بڑا سکہ تھا۔ جرگے کے بعد باباجی مرحوم نے وہ مجھ سے لیکر یا تو اس صاحبِ سکہ کو بلاواسطہ یا اپنے ایک شاگرد کے واسطے سے لوٹا دیا، کیونکہ انہیں یہ یقین تھا کہ یہ بھی رشوت کے زمرے میں شمار ہو سکتا ہے۔"

مفتی کمال الدین المسترشد صدیقی نے ایک اور واقعہ سنایا "ایک بار قاضی صاحب نے ایک تنازعے میں فیصلہ سنایا، لیکن گھر واپسی پر انہیں احساس ہوا کہ فیصلے میں ان سے کچھ غلطی ہوئی ہے۔ چنانچہ اس غلطی پر پچھتاوے سے مغلوب ہو کر انہوں نے حسرت و یاس کے عالَم میں اپنی پیشانی کو ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ میں نے کیا کر دیا؟۔ تحصیلدار نے اس موقع کو غنیمت جان کر چکیسر میں تعینات حاکم (جو تحصیلدار سے عہدے میں سے بڑے ہوا کرتے تھے) کو اس غلط فیصلے کی اطلاع دے دی۔ لہذا قاضی صاحب اور تحصیدار دونوں حاکم صاحب کے پاس بلا لیے گئے۔ قاضی صاحب نے ان کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور برملا کہا کہ سہواً مجھ سے یہ غلطی ہو گئی ہے۔ کیس کا جائزہ لینے کے بعد حاکم صاحب نے فیصلہ سنایا کہ قاضی صاحب کی یہ غلطی واقعی غیر ارادی تھی۔ اُن کی کوئی بد نیتی اس میں شامل نہیں تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی دیکھئے کہ کس طرح اس نے قاضی صاحب کو سرخرو کیا جبکہ تحصیلدار کی کوشش ناکام ہو گئی اور وہ نامراد ہو

گئے۔

قاضی صاحب کے بارے میں یہ بات بھی زبان زد عام ہے کہ ایک بار ایک شخص نے قاضی صاحب کو رشوت دینے کی کوشش کی تو آپؒ کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔ چنانچہ اس مقہور بندے نے آپؒ کے چہرے سے غصے کی کیفیت کو بھانپتے ہوئے ان کے ہاں سے نکل جانے میں عافیت سمجھی اور وہ وہاں سے رفو چکر ہو گئے۔

مفتی کمال الدین المسترشد صدیقی اپنے بچپنے کو یاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ اپنے دادا صاحب مرحوم کے ساتھ ہر صبح تحصیل جاتے تھے۔ بڑے بھائی عبد المجید مرحوم، چچازاد بھائی احسان اللہ اور چچازاد بھائی مولانا فضل اللہ مرحوم و مغفور بھی ساتھ ہوتے تھے۔ ہم تینوں "گٹو سکول" جاتے جو تحصیل کے بالکل سامنے واقع تھا۔ جب داداجان تحصیل سے فارغ ہوتے اور ہم سکول سے، تو ہم ان کے ہمراہ گھر واپسی کی راہ لیتے۔ گھر واپسی کے راستے میں دشوار گزار راستہ "توتانو چڑھائی" واقع تھا، چونکہ میرے لئے اسے سر کرنا مشکل ہوتا۔ تو داداجان محبت سے مجھے کندھے پر اٹھا کر گھر پہنچاتے تھے۔

جناب عبد الباعث صاحب ریٹائرڈ تحصیل مرزا کے مطابق اُس زمانے میں تحصیل کے پاس ایک چبوترہ تھا جو قلعہ (فورٹ) کی جانب واقع تھا جس کے ایک طرف مسجد واقع تھی۔ فریقین اس مسجد میں مقدمات کے لئے پیش ہوتے۔ عدالتی کاروائی ہوتی، سماعت ہوتی، گواہ پیش کئے جاتے اور بیانات درج کئے جاتے تھے۔ میں (مرزا موصوف) بغیر کسی مداخلت یا دباؤ کے خود فریقین

کے بیانات قلمبند کرتا اور کاروائی کی نگرانی کرتا تھا۔ حضرت مولانا مرحوم اپنے فیصلوں اور ذاتی رویوں میں بے حد انصاف پسند، راست باز اور دیانتدار تھے۔ آپؒ سوچ سمجھ کر اور ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے تھے۔ کم گو تھے اور آپؒ کا کلام حشو زوائد سے پاک اور ان کا انداز گفتگو نرم اور متوازن ہوتا تھا۔ آپؒ کبھی بھی غیر ضروری بات نہیں کرتے تھے۔ مرزا موصوف کے بقول تحصیل کے دفتر کی دیوار پر ایک گھڑی نصب تھی۔ تحصیلدار صاحب نے اس کے متعلق کہا کہ اسکی سیکنڈ ہینڈ (سیکنڈ والی سوئی) کی ٹک ٹک موسیقی کی طرح معلوم ہوتی ہے۔ تو قاضی انعام اللہ مرحوم نے ان کی بات کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی یہ ٹک ٹک مجھے یوں لگتی ہے جیسے یہ اللہ اللہ کا وِرد کر رہی ہو۔ آپؒ کا ذہن کتنا شفاف تھا کہ گھڑی کی آواز انہیں موسیقی کے بجائے اللہ تعالی کا ذکر کرتے ہوئے معلوم ہو رہی تھی۔

قاضی انعام اللہ مرحوم کے بارے میں یہ بات مشہور و معروف تھی کہ اگر کسی مقدمے میں ایک مسلمان کے مقابل خواہ کوئی غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، لیکن اگر غیر مسلم حق پر ہوتا، تو فیصلہ بلا جھجھک اُسی کے حق میں دیا جاتا تھا۔

آپ رحمہ اللہ کے پوتے احسان اللہ صاحب حضرت باباجی مرحوم کی معیت میں اپنے آخری سفر کی روداد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"میں بمع مولانا مصباح الدجی المعروف صابیاق صاحب رحمہ اللہ آپؒ کے ہمراہ بہار سینکڑئ گئے تھے۔ وہاں مئی یا جون 1970ء میں شرعی فیصلے کے لئے ایک مجلس (شریعت) منعقد ہوئی تھی۔

جب مجلسِ فیصلہ برخاست ہوئی، تو مولانا صابیاق صاحب مرحوم واپس مارتونگ چلے گئے اور ہم دونوں بانڈہ ہاشم خیل گئے۔ وہاں سے دانکول میرہ گئے، تاکہ آپؒ اپنے متعلقین سے ملاقات کر سکیں۔ اس سفر میں ایک موقع پر آپؒ نے پیشین گوئی فرمائی کہ شاید مجھے یہ دیکھنا نصیب نہ ہو مگر ایک دن یہاں سے سڑک گزرے گی۔ آپؒ کی پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہو گئی۔ موجودہ دور میں تیتوالان، پشکنڈ اور دانکول جیسے علاقے سڑکوں کے ذریعے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ جس سے لوگوں کے لئے سفر کرنا آسان ہو گیا ہے۔ بعد ازاں ہم "دانکول" سے ہوتے ہوئے "تیتوالان" گئے، تاکہ اورنگزیب صاحب کے عم محترم سے ملاقات کریں، جو ممبئ میں روزگار کے سلسلے میں رہائش پزیر تھے اور ان دنوں اپنے آبائی وطن آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے باباجی کے نام پیغام بھیجا تھا کہ آپ میرے ہاں آجائیں، کیونکہ آپ باباجی کے دوست تھے۔ ہم نے ان سے ملاقات کی اور بالآخر اپنے گاؤں واپس آگئے۔

ایک رات کچھ افراد کے درمیان تنازعہ وقوع پذیر ہوا اور مقدمہ تحصیل مارتونگ لے جایا گیا۔ اسی رات آپؒ کے متعلقین کا ایک گروہ، آپکے ساتھ تحصیل جارہا تھا۔ قاضی صاحب نے پنڑے، جو اس وقت کے عام مقامی روایتی جوتے تھے، پہن رکھے تھے۔ ان کے پاس راستے کی روشنی کے لئے صرف ایک لالٹین تھا۔ منز کلے مارتونگ اور تحصیل مارتونگ کے درمیانی راستے میں آپ ٹھوکر کھا کر گر پڑے۔ یہ دیکھ کر ان میں سے ایک بندہ غصے میں آکر کہنے لگا کہ لوگوں کو چاہئے کہ وہ رات کو مسائل پیدا نہ ہونے دیں کیونکہ ان کے مسائل پیدا کرنے سے رات کے وقت حضرت صاحب

کو تکلیف و اذیت سہنا پڑتا ہے۔ اس بندۂ خدا کی بات سن کر آپ مسکرا دیے اور پر سکون لہجے میں جوب دینے لگے کہ وہ مسائل پیدا کریں گے تو ہم بفضلہ تعالی انہیں حل کریں گے۔ جب آپ تحصیل پہنچے تو وہاں متعلقہ لوگوں کا ہجوم تھا۔ قاضی صاحب مرحوم نے مقدمہ حل فرمایا تو آپ کے متعلقین انہیں واپس گھر تک پہنچا رہے تھے کہ راستے میں لالٹین بجھ گیا، لیکن اندھیرے ہی میں آپؒ کے متعلقین اور عقیدت مند انہیں ہاتھ سے پکڑ کر بحفاظت گھر پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس واقعے میں آپؒ کے مریدین کی آپؒ کے ساتھ عقیدت و محبت کی جھلک صاف طور پر دکھائی دے رہی ہے۔

آپؒ کے بارے یہ واقعہ ذکر کر کے مضمون کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ آخر میں آپؒ کی وفات کا تذکرہ ہو گا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ قاضی صاحب مرحوم عدالتی فرائض کی انجام دہی کے لئے ایک مقامی آدمی کے ہمراہ سوات تشریف لے گئے تھے۔ وہاں سے واپسی کے وقت تحصیل مارتونگ کو اطلاع ملی کہ قاضی صاحب سوات سے پیدل مارتونگ کے لئے روانہ ہو چکے ہیں۔ اُس زمانے میں سڑکیں نہیں تھیں، کچھ مقامات تک تو سڑکیں جاتی تھیں لیکن گاڑیاں کمیاب ہوتی تھیں۔

مارتونگ کے باشندگان اس امید پر مطمئن تھے کہ حضرت عنقریب پہنچ آئیں گے۔ تاہم جب آپ کی آمد میں تاخیر ہو گئی تو لوگ فکر مند ہو گئے اور ان کی تلاش شروع کر دی۔ معلوم ہوا کہ سفر کے دوران قاضی صاحب اور ان کے ساتھی غلط راستہ اختیار کر کے گھنے جنگلات میں جا پہنچے تھے اور ایک انجانے علاقے میں کھو گئے تھے۔ تاہم خوش قسمتی سے دو آدمی ان کے قریب آئے اور

انہیں پہچان لیا۔ ان میں سے ایک شخص نے آگ جلانے اور کھانا تیار کرنے کی ذمہ داری لی، جبکہ دوسرا جنگل میں چھپے ہوئے درندوں سے آپ کی حفاظت کے لئے چوکس رہا۔ ان دو بندوں کی مدد سے بفضلہ تعالیٰ قاضی صاحب اور ان کے ساتھی صبح صحیح راستے پر کامیابی سے گامزن ہو گئے اور بحفاظت مارتونگ پہنچ گئے۔ لوگ ان کی محفوظ واپسی پر بہت خوش ہو گئے۔

وفات

مولانا انعام اللہ مرحوم نے نمازِ ظہر ادا کی، اور اس کے فوراً بعد مارتونگ بازار میں نمازِ استسقاء ادا فرمائی۔ نماز کے بعد آپؒ نے تعظیم و ادب اور انکساری و فروتنی کے واسطے ناف پر دونوں ہاتھ باندھ کر لوگوں کو وعظ و نصیحت فرمائی، دلوں کو نرم کیا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کی تاکید کی۔ پھر وہیں سے گاڑی میں سوار ہو کر سوات کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہی وہ سفر تھا جس کے دوران وہ ایک المناک حادثے کا شکار ہو گئے۔ 15 گست 1970ء کو قاضی صاحب یختنگی کے قریب ایک افسوسناک حادثے کا شکار ہوئے۔ وہ ایک رکی ہوئی جیپ کے پچھلے حصے میں بیٹھے کتاب کے مطالعے میں مشغول تھے۔ یہ گاڑی شاہ پور شانگلہ کے سلطان خان کی تھی۔ اس سفر میں آپؒ کے ہمراہ معزز مشر احمد علی خان بھی تھے۔ حادثے کے وقت قاضی صاحب اکیلے تھے کہ اچانک گاڑی خود بخود حرکت میں آگئی اور قریب کی کھائی میں جا گری۔

زخمی حالت میں انہیں پورن ہسپتال منتقل کیا گیا، جہاں اگلے دن 16 اگست 1970ء بروزِ اتوار ان کا انتقال ہوا۔ آخری لمحات میں شفاء الملک استاد صاحب، مشر احمد علی خان اور مولانا مصباح الدجی عرف صابیاق (صاحب حق) صاحب ان کے پاس موجود تھے۔ ناظر نے بتایا کہ مولانا انعام اللہ باباجی نے خود کلامی کے انداز میں فرمایا کہ نہیں، یہ ابھی جانے کا وقت نہیں ہے۔ اس کے بعد قاضی صاحب نے صرف یہ فرمائش کی کہ ان کا رخ قبلہ کی طرف کر دیا جائے۔ رخ بدلتے ہی ان کی روح خاموشی سے پرواز کر گئی۔ انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون۔ نوّر اللہ مرقدہٗ آمین ثم

آمین۔ ایک صاحب نے بتایا کہ وہ اُس روز مارتونگ بازار گئے تو سارا بازار سنسان تھا۔ حیرت سے ایک شخص نے پوچھا کہ بھائی، کیاماجرا ہے؟ تو کسی نے جواب دیا کہ "قاضی صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔" یہ وہی لمحہ تھا جب مرحوم کا جسدِ خاکی ابھی پورن سے روانہ نہیں ہوا تھا، لیکن فضا پہلے ہی سوگوار ہو چکی تھی۔

انہیں اگلے دن گاؤں منز کلے مارتونگ کے آبائی قبرستان میں دفن کیا گیا،، جہاں اہلِ علاقہ اور معززین نے بڑی تعداد میں آپؒ کے جنازے اور تدفین میں شرکت کی اور انہیں الوداع کہا۔

علمی ورثہ

آپؒ کا علمی ورثہ آپؒ کے خاندان میں خاص طور پر آپؒ کے پوتے مفتی کمال الدین المسترشد صدیقی زیر مجدہم نے دینی و علمی خدمات کے ذریعے محفوظ کیا۔ موصوف نے اپنے مرحوم داداجان کی خدمات دینیہ و علمیہ کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے ایک بلند پایہ تفسیر پر کام شروع کیا اور باباجیؒ کے نام کی نسبت سے اس کا نام تفسیر انعام الرحمن رکھا ہے۔ اس تفسیر میں بہ طور خاص قرآن پاک کی فصاحت و بلاغت کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ یہ تفسیر کم و بیش آٹھ جلدوں پر مشتمل ہوگی اور اس کی تکمیل میں بشرط حیات چار پانچ سال لگیں گے۔ اس تفسیر کے لئے "انعام الرحمن" نام کا انتخاب دو پہلوؤں کو مد نظر رکھ کر کیا گیا ہے۔ معنی و مفہوم کے پہلو کے لحاظ سے انعام الرحمن کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ رحمن ورحیم کا فضل و انعام۔ جبکہ دوسرے پہلو کے اعتبار سے در اصل یہ دو ناموں کا مجموعہ ہے۔ پہلا لفظ "انعام" موصوف مفسر کے داداجان مولانا انعام اللہ مرحوم جبکہ دوسرا لفظ "الرحمن" آپکے والد محترم مولانا جمیل الرحمن مرحوم اور اعمام کے نام کے آخر سے لیا گیا ہے اور اس طرح ان دو الفاظ کے مجموعے سے مرکب اضافی یعنی "انعام الرحمن" بن گیا ہے۔

نسب نامہ مولانا قاضی انعام اللہ نور اللہ مرقدہٗ



روداد سالانہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور 1340ھ و 1341ھ

روداد سالانہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۷۴ بابتہ ۱۳۴۰ھ

[illegible]	[illegible]	نام کتاب جسمیں امتحان دیا	[illegible]	[illegible]
۳۹	[illegible]	جلالین	۱۳	[illegible]
		ہدایہ اولین	۲۰	
		سلم العلوم	۱۸	
		قطبی میر	۱۸	
		۴	۵۶	
۴۰	[illegible]	جلالین	۱۶	[illegible]
		مشکوٰۃ	۱۷	
		شرح نخبۃ الفکر	۱۲	
		۲	۳۳	
۴۱	[illegible]	جلالین تقریری	۱۹	[illegible]
		شرح نخبۃ الفکر	۲۰	
		مشکوٰۃ	۱۷	
		ہدایہ اولین	۲۰	
		میر زاہد ملا جلال	۱۷	
		۵	۹۳	
۴۲	[illegible]	میبذی	۱۷	ایضاً
		ملا جلال	۲۰	
		جلالین	۱۸	
		مشکوٰۃ	۱۲	
		شرح نخبۃ الفکر	۱۸	
		۵	۸۹	
۴۳		تمش بازغہ	۱۲	
		خلاصۃ الحساب	۱۷	
	[illegible]	سراجی	۱۰	[illegible]
		مختصر معانی	۱۳	
		نسائی	۱۷	
		کنز	۱۱	
		۴	۴۴	
۴۴	[illegible]	اقلیدس	۲۰	[illegible]
		تصریح	۳۰	
		سبع شداد	۱۹	
		خلاصۃ الحساب	۱۸	
		شرح چغمنی	۱۸	
		مقامات حریری	۱۶	
		ملا حسن	۲۱	
		۷	۱۴۲	
۴۵	[illegible]	مقامات حریری	۸ فقط	[illegible]
		ہدایہ اولین	۱۵	
		مختصر معانی	۹ فقط	
		سلم العلوم	۱۲	
		قطبی میر	۱۱	
		ایک	۱۵	
۴۶	[illegible]	سراجی	۱۱	[illegible]
		ہدایہ اولین	۱۵	
		نور الانوار	۱۸	
		مختصر معانی	۹ صرف	

روداد سالانہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۶۰ بابت [illegible]

نمبر شمار	نام طالب علم	کتب	نمبر	کتب انعام
۴۱	عبد القیوم ولد عبد الکریم ساکن ریاست ٹونک	الفیہ عراقی	۱۵	[illegible]
		توضیح تلویح	۱۲	
		درمختار	۱۸	
		تصریح	۱۴	
		اقلیدس	۱۲	
		شرح چغمینی	۱۲	
		سبع شداد	۱۵	
		سبعہ معلقہ	۱۷	
		متنبی	۱۵	
		ملا جلال	۱۲	
		امور عامہ	۱۵	
		شرح عقائد النسفی خیالی	۱۵	
		حماسہ	۱۵	
		۸	۱۲۵	
۴۲	انعام اللہ ولد [illegible]	تصریح	۱۵	[illegible]
		اقلیدس	۱۲	
		شرح چغمینی	۱۳	
		سبع شداد	۱۵	
		امور عامہ	۱۵	
		نور الانوار	۱۲	
		شرح وقایہ	۱۵	

نمبر شمار	نام طالب علم	کتب	نمبر	کتب انعام
		شرح عقائد النسفی خیالی	۱۴	
		۴	۶۰	
۴۳	عبد الغنی ولد یار محمد ٹونکی	توضیح تلویح	۱۳	[illegible]
		سلم الثبوت	۱۵	
		درمختار	۱۸	
		میرزاہد ملا جلال	۱۲	
		میرزاہد رسالہ	۱۵	
		مطول	۱۰	
		مختصر معانی	۱۷	
		میرزاہد امور عامہ	۱۳	
		ملا حسن	۱۶	
		رشیدیہ	۱۴	
		میبذی	۲۱	
		شرح عقائد النسفی خیالی	۱۶	
		۸	۱۳۴	
۴۴	محمد حسین ولد مولوی غلام حسین میانوالی	قاضی مبارک	۱۵	ایضاً [illegible]
		سلم الثبوت	۱۵	
		درمختار	۱۸	
		تصریح	۱۸	
		اقلیدس	۱۹	
		شرح چغمینی	۱۸	
		سبع شداد	۱۵	

دارالعلوم دیوبند کو ای میل

(معلومات اس وقت تخمیناً لکھے گئے تھے جو بعد کو صحیح علم میں آئے، اسلئے مٹایا جاتاہیں، تاکہ الجھن نا رہے)

From: rehan siddiqi
Sent: Thursday, November 30, 2023 2:00 PM

۵۸ ص
دیوبند
۱۵/۵/۴۵

فارم معلومات فضلائے دارالعلوم دیوبند

Darul Uloom Deoband Alumni Enquiry Form

S No.	Particulars | تفصیلات	Fill in Urdu or English | اردو یا انگریزی میں خانہ پری کریں
1	نام فاضل مع لقب وغیرہ Full Name of Alumni With Surname if any	انعام اللہ (Inam Ullah)
2	Father's Name | والد کا نام	غلام اکبر (Ghulam Akbar)
3	Date of Birth | تاریخ پیدائش	
4	داخلہ کے وقت کا پتہ Address at the time of admission	
5	دارالعلوم میں داخلہ کا سال Year of Joining Darul Uloom Deoband	
6	فراغت کا سال Year of graduation from Darul Uloom Deoband	
7	فراغت کے بعد کی سرگرمیاں Where did he teach/ resided after graduation?	
8	ان کی علمی، تعلیمی اور دینی خدمات His works and services in academic, educational and other fields	
9	ان کی دیگر سوانحی معلومات اور متعلقہ حوالے His records or biography details from other sources	
10	تاریخ انتقال اور مدفن Death Date and Place	
11	مزید معلومات Any Other information	
12	آپ کو ریکارڈ کیوں مطلوب ہے؟ Why do you want his record from us?	

اعلامیہ: درج بالا معلومات میرے علم ویقین کے مطابق سچی اور درست ہیں۔ دستخط

Declaration: The information provided above is true to the best of my knowledge. Sign
(full name) Ryhan uddin
Email:
Contact No.:

محافظ خانہ میں ضروری کاروائی کیجئے ارسال ہے
۱۴۴۵/۵/۱۷ھ
۱۵/۱۱/۲

شعبہ انٹرنیٹ
معلومات تذکرہ ارسال کر دی جائیں
۱۴۴۵/۵/۲۳ھ

سند دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

٦٥/٢

حضرت والا! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

منسلکہ درخواست میں مطلوب ممکنہ معلومات حسب ذیل ہیں:

ریکارڈ کے مطابق جناب مولانا انعام اللہ صاحب ولد جناب غلام اکبر صاحب، ساکن: بہار، ڈاکخانہ: کریلیان، تحصیل: ہری پور، ضلع پشاور، کا دارالعلوم دیوبند میں داخلہ: ۵رشوال ۱۳۴۲ھ میں ہوا، دورۂ حدیث شریف سے فراغت شعبان: ۱۳۴۳ھ میں ہوئی، عمر بوقت داخلہ: ۲۵رسال، مدرسہ مظاہر العلوم سے پڑھ کر آئے تھے،

دورۂ حدیث شریف کے امتحان سالانہ میں حاصل کردہ نمبرات مندرجہ ذیل ہیں:

نمبر شمار	کتب امتحان	نمبر حاصل کردہ
۱	موطا امام محمد	۴۹
۲	بخاری شریف	۴۸
۳	شمائل ترمذی	۴۴
۴	ابن ماجہ شریف	۴۴
۵	ابوداؤد شریف	۴۱
۶	ترمذی شریف	۴۰
۷	مسلم شریف	۳۸
۸	طحاوی شریف	۳۵
۹	بیضاوی شریف	۳۴
۱۰	موطا امام مالک	۲۰
۱۱	نسائی شریف	۱۹

والسلام

عبدالسلام قاسمی

محافظ خانہ دارالعلوم دیوبند

۲۲/۵/۱۴۴۵ھ = ۷/۱۲/۲۰۲۳ء

کتاب "آباء کے دیس میں" سے لئے گئے کچھ صفحات

تلامذہ محدثِ کبیر امام العصر
حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نوراللہ مرقدہٗ

آباء کے دیس میں — 213 — سفرنامۂ ہندوستان

۱۳۴۳ھ بمطابق ۱۹۲۴ء

تعداد کل طلبہ: ۸۳۰

شرکائے دورۂ حدیث: ۸۷

مولانا محمد ادریس میرٹھی

مولانا سید میاں دیوبندی

مولانا محمد طاہر دیوبندی

مولانا عبداللطیف دیوبندی

مولانا سیف اللہ کشمیری

مولانا محمد تقی دیوبندی

مولانا عبدالعزیز کشمیری

مولانا نذیرالدین کشمیری

مولانا اللہ وسایا ڈیرہ غازیخان

مولانا محمد صدیق شاہ پوری

مولانا اشفاق علی سنبھلی

مولانا فخرالدین سورتی

مولانا نور محمد سندھی

مولانا حمیدالدین سنبھلی

مولانا عبدالغفور گورداسپور

مولانا محمد اسلم سیالکوٹی

مولانا غلام محمد لدھیانوی

مولانا غلام محمد سیتاپوری

مولانا عبدالمعبود چاٹگامی

مولانا محمد ابراہیم سنبھلی

مولانا محمد اشرف ہزاروی

مولانا عبدالمتین ہزاروی

مولانا محمود الرحمن جالونی

مولانا فتح محمد گوجروالا

مولانا عبدالکریم جالندھری

مولانا محمد قاسم لہرپور سیتاپوری

مولانا فضل کریم نواکھالی

مولانا احمد چاٹگامی

مولانا ظہور حسن گورداسپور

مولانا محمد سلمان بن اسمٰعیل سورتی

مولانا علم الدین گورداسپور

مولانا سید حسین نگینوی

مولانا محمد انور چاندپوری

مولانا عبدالرحیم امرتسری

مولانا محمد زماں پشاوری

مولانا محمد سلیمان سورتی
مولانا ایوب حسن سہارنپور
مولانا عبدالرحمن گودھروی
مولانا قاضی حماد گیاوی
مولانا عزیز الرحمن ہزاروی
مولانا محمد مسعود مرادآبادی
مولانا طالب حسین سیالکوٹی
مولانا شمس الحق بہاری
مولانا عبداللہ ڈیرہ غازیخاں
مولانا احمد اشرف راندیری
مولانا عبدالحمید غازیپوری
مولانا عبدالقیوم سہارنپوری
مولانا عبداللہ میانوالی
مولانا مہتاب الدین میمن سنگھی
مولانا محمد ڈیرہ اسمٰعیل خاں
مولانا حفیظ اللہ مظفرپوری
مولانا جامع الدین پشاوری
مولانا ذکی الدین اناوی
مولانا محمد یحییٰ کیرانوی

مولانا موج الدین پٹیالوی
مولانا میر احمد چاٹگامی
مولانا عبدالکریم کھلنوی
مولانا محمد ضرار خاں بلندشہری
مولانا ریاض احمد کیرانوی
مولانا عظمت اللہ کچھاڑی
مولانا عبدالبصیر سیوہاری
مولانا اظہر الدین مرشدآباد
مولانا عبدالمالک چاٹگامی
مولانا فیاض الدین بجنوری
مولانا حسن شاہ پشاوری
مولانا معصوم علی سیتاپوری
مولانا انعام اللہ پشاوری
مولانا نور محمد قندھاری
مولانا محمد حسن فیروزپوری
مولانا روشن علی نواکھالی
مولانا محمد اللہ پشاوری
مولانا مصباح الحق نواکھالی
مولانا عبدالحق ہزاروی

مولانا عبدالستار چاٹگامی
مولانا عبدالحکیم ہزاروی
مولانا بدیع الرحمن گیاوی
مولانا محمد سید بخاری
مولانا عبدالمجید کمرلائی

روداد سالانہ دار العلوم دیوبند1343ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و الصلوٰۃ والسلام علی سیدنا و مولانا محمد خاتم الرسل و کل انبیاء صلوات اللہ و سلامہ علیہم و علی اتباعہم اجمعین۔

اما بعد۔ بندہ مہتمم مدرسہ عربیہ عالیہ اسلامیہ دیوبند حضرات اہل خیر والہم کی خدمت عالیہ میں عرض پرداز ہے کہ خدائے تعالیٰ جلشانہ کے فضل وکرم سے اس شجرۂ مبارکہ علوم دینیہ کا اکسٹھواں سال نہایت خیر و خوبی سے انجام کو پہنچا اُسکی سرسبزی و شادابی خیرخواہانِ اسلام کے لئے عموماً و معاونانِ علوم دین کے واسطے خصوصاً مبارک ہو۔ آمین ہو

حسب معمول قدیم امسال بھی امتحانِ سالانہ طلبۂ دارالعلوم دیوبند ماہ شعبان المعظم میں لیا گیا۔ قواعد امتحان برابر ملحوظ رہے اور وقت تحریر جوابات طلبہ کی نگرانی کامل طور سے کیگئی تاکہ کوئی طالب علم کتاب یا کسی اور ذریعہ سے جوابات میں امداد نہ لے سکے۔

امتحانِ تحریری و تقریری درجاتِ عربیہ حضرت مخدومنا و معظمنا جناب مولانا سید محمد انور شاہ صاحب صدر مدرس وجناب مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب وجناب مولانا حکیم محمد حسن صاحب وجناب مولانا شبیر احمد صاحب وجناب مولانا سید محمد مرتضیٰ حسن صاحب۔ وجناب مولانا سراج احمد صاحب وجناب مولانا محمد رسول خان صاحب وجناب مولانا محمد ابراہیم صاحب وجناب مولانا سید اصغر حسین صاحب وجناب مولانا محمد اعزاز علی صاحب وجناب مولانا عبد السمیع صاحب مدرسان مدرسہ ہذا دامت برکاتہم وجناب مولانا صدیق احمد صاحب انبہٹوی مفتی مالیر کوٹلہ دام مجدہم نے باحتیاط تمام لیا۔

درجہ قرأت و تجوید کا امتحان جناب مولانا مولوی قاری حاجی عبد الوحید خانصاحب مدرس اول درجہ موصوفہ وجناب مولوی قاری محمد یامین صاحب معین مدرس علم فیوضہم نے حسب دستور قدیم لیا اور طلبہ کی محنت اور کوشش کے موافق نمبر عنایت فرمائے۔

درجہ فارسی و ریاضی کا امتحان جناب مولانا سید اصغر حسین صاحب وجناب منشی منظور احمد صاحب نے لیا اور طلبہ کو پوری جانچ کے بعد نمبر عطا فرمائے۔

درجہ ہندی یعنی بھاشہ کا امتحان مثل سالگذشتہ جناب منشی کلن خانصاحب ہیڈ ماسٹر ٹاؤن اسکول سرکاری دیوبند نے خوب جانچکر لیا اور طلبہ کی محنت کے موافق نمبر عنایت فرمائے۔

امتحان تحریری کے بعد جوابات دیکھے گئے۔ اور نمبر طلبہ حروف ابجد بطور رموز لکھے گئے تاکہ افشاء حق میں پوری سعی ہو۔ نمبر کامل جواب کے پچاس اور کم کے واسطے کم [illegible]

لیکن انعام چالیس نمبر سے کم میں نہیں دیا گیا۔

الحمدللہ تعداد طلبہ کامیاب شدہ و مستحقین انعام امسال بھی نہایت عمدہ و قابلِ آفریں رہی یعنی منجملہ (۸۱۰) طلبہ درجاتِ عربیہ و قرأت و فارسی و ریاضی و قرآن شریف و بھاشہ میں سے (۴۲) غیر حاضر و رخصت و بیمار۔ باقی (۷۶۸) طلبہ حاضر و شریکِ امتحان ہوئے۔ اُن میں سے (۱۴) ناکامیاب اور (۷۵۴) طلبہ کامیاب رہے یعنی فیصدی (۹۸) سے زائد کامیابی رہی جو اعلیٰ درجہ کامیابی کا شمار ہوتا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ درجاتِ عربیہ میں کُل (۴۹۰) طلبہ شریکِ فہرستِ امتحان تھے جن میں سے (۲) غیر حاضر اور (۳) ناکامیاب۔ باقی (۴۸۵) طلبہ کامیاب شدہ نے من حیث المجموع (۳۳۸۳) کتب میں امتحان دیکر اکثر میں عمدہ و اعلیٰ درجہ کی کامیابی حاصل کی درجہ قرأت و تجوید میں (۱۴۴) طلبہ میں سے (۹۹) کامیاب اور (۵) ناکامیاب (۴۰) غیر حاضر رہے درجہ فارسی و ریاضی میں (۹۲) طلبہ شریکِ امتحان تھے تمام کامیاب رہے اور من حیث المجموع (۳۷۸) کتب میں امتحان دیکر بہتر کامیابی کے مستحق ہوئے درجہ قرآن شریف میں (۶۷) طلبہ میں سے (۶۳) کامیاب اور (۴) ناکامیاب رہے۔ درجہ ہندی یعنی بھاشہ میں (۱۷) طلبہ نے امتحان دیا (۲) ناکامیاب (۱۵) کامیاب رہے۔ درجاتِ مذکورہ میں بعض طلبہ مشترک ہیں۔

واضح ہو کہ درجہ قرآن شریف کا امتحان ماہ شعبان میں نہیں ہوا کیونکہ قرآن شریف کے طلبہ رمضان شریف میں دور کلام مجید کیا کرتے ہیں نوافل و تراویح میں سُناتے ہیں۔ اسوجہ سے ہمیشہ اس درجہ کا امتحان بعد رمضان المبارک ماہ شوال میں ہوتا ہے۔ امسال بھی ایسا ہی ہوا۔ ظاہر ہے کہ یہ کامیابی طلبہ ان کی محنت اور حضراتِ مدرسین مدظلہم کی توجہ و شفقت اور معاونانِ ذیشان کی علو ہمت و اخلاص نیت کا ثمرہ ہے۔

الحمدللہ حضراتِ اہلِ کرم نے طلبہ مسافرین و مساکین کی تعلیم و تربیت میں جو کچھ امدادات و ہمدردی فرمائی بفضلہ تعالیٰ وہ ٹھکانے لگی خداوندکریم اس کارِ خیر کا اجرِ عظیم عطا فرما دے آمین یا رب العالمین۔

روداد سالانہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند ۲۲۴ بابت سنہ ۱۳۴۳ھ

نمبر شمار	نام طالب علم مع ولدیت و سکونت	کتب امتحان	نمبر حاصل کردہ	طرز امتحان	کیفیت انعام
	اسم مذکور	ابن ماجہ شریف	۴۱	تحریری	
		طحاوی شریف	۴۰	″	
		ترمذی شریف	۳۵	″	
		نسائی شریف	۳۱	″	
۶۶	مولوی معصوم علی [illegible] پشاوری	بخاری شریف	۴۵	″	[illegible]
		شمائل ترمذی شریف	۴۵	″	
		موطا امام محمد	۴۵	″	
		ابوداؤد شریف	۴۲	″	
		طحاوی شریف	۴۰	″	
		ابن ماجہ شریف	۴۰	″	
		موطا امام مالک	۳۵	″	
		مسلم شریف	۳۴	″	
		ترمذی شریف	۳۴	″	
		نسائی شریف	۳۲۵	″	
۶۷	مولوی انعام اللہ [illegible] پشاوری	موطا امام محمد	۴۹	″	[illegible]
		بخاری شریف	۴۸	″	
		شمائل ترمذی شریف	۴۴	″	
		ابن ماجہ شریف	۴۴	″	
		ابوداؤد شریف	۴۱	″	
		ترمذی شریف	۴۰	″	
		مسلم شریف	۳۸	″	
		طحاوی شریف	۳۵	″	
		بیضاوی شریف	۳۴	″	
	اسم مذکور	موطا امام مالک	۲۰	تحریری	
		نسائی شریف	۱۹	″	
۶۸	مولوی نور محمد [illegible] بخاری	شمائل ترمذی شریف	۴۸	″	[illegible]
		مسلم شریف	۴۵	″	
		موطا امام مالک	۴۴	″	
		ابوداؤد شریف	۴۱	″	
		بیضاوی شریف	۴۱	″	
		بخاری شریف	۴۰	″	
		نسائی شریف	۳۵	″	
		موطا امام محمد	۳۵	″	
		ترمذی شریف	۳۲	″	
		طحاوی شریف	۳۰	″	
		ابن ماجہ شریف	۱۹	″	
۶۹	مولوی محمد حسن [illegible] پوری	شمائل ترمذی شریف	۴۷	″	[illegible]
		مسلم شریف	۴۰	″	
		ابوداؤد شریف	۴۰	″	
		بیضاوی شریف	۴۰	″	
		ابن ماجہ شریف	۴۰	″	
		موطا امام مالک	۴۰	″	
		بخاری شریف	۴۷	″	
		نسائی شریف	۳۶	″	
		طحاوی شریف	۳۵	″	
		موطا امام محمد	۳۵	″	
		ترمذی شریف	۴۲	″	

حوالہ جات

کُتب، رسائل، تحقیقی مقالے اور مضامین

1)روداد سالانہ مدرسہ مظاہر العلوم، سہارنپور۔ 1340ھ، 1341ھ۔ صفحہ نمبر 160 اور 174۔

2)روداد سالانہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند۔ 1343ھ۔ صفحہ نمبر (217 تا 237)۔ یہ روداد الندوہ لائبریری اسلام آباد میں موجود ہے۔

3)سند دارالعلوم دیوبند۔ محافظ خانہ دارالعلوم دیوبند سے موصول شدہ۔ 7 دسمبر 2023۔

4)اِسناد حرز یمانی بزبان فارسی۔ غلام اکبر صاحبزادہ بہاری۔ 1308ھ بمطابق 1889ء۔

5)نادر شاہ اِن انڈیا۔ سر جدو ناتھ سرکار۔ اشاعت 1925ء، دوبارہ اشاعت 1973ء۔ اکسیشن نمبر:53152۔ صفحہ نمبر 24۔

6) نسب نامہ صاحبزادگان ڈیریٔ علاقہ کماچ ہاشم خیلو ڈب۔ غلام اکبر، فارسی، 1909ء۔ مولانا انعام اللہ، پشتو، 1960ء۔ مولانا حبیب الرحمن و مولانا صباح الدین، پشتو، 2000ء۔ مولانا صباح الدین، اردو اور پشتو، 2025ء۔

7) ریاست سوات 1915ء تا 1969ء۔ ڈاکٹر سلطانِ روم، پی ایچ ڈی 2005ء۔ ترجمہ پروفیسر احمد فواد۔

8) فتاویٰ ودودیہ کا تعارف، منہج اور اسلوب پر تحقیقی جائزہ۔ انور، ایم جے، اور خلیل الرحمن۔ 2021ء۔ جہات الاسلام، 14(1)، صفحہ 137 تا 156۔

9) والی سوات کی حکومت میں سوات ریاست میں عدالتی نظام اور اس کا جائزہ، اسلامی قانون کی روشنی میں۔ ال خادم ریسرچ جرنل آف اسلامک کلچر اینڈ سولائزیشن۔ ڈاکٹر لطف اللہ ثاقب، رشید احمد فیضی، ڈاکٹر سید نعیم بادشاہ بخاری۔ صفحہ 1 تا15۔

10) سیرت سید احمد شہید۔ مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی۔ بہ سلسۂ تاریخ دعوت و عزیمت۔ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنو پوسٹ باکس نمبر 119 ندوۃ العماء لکھنو۔ نواں ایڈیشن اردو لکھنو 2011ء۔

11) "آباء کے دیس میں مع فہرست فضلاء دارالعلوم دیوبند"۔ سفر نامہ ہندوستان۔ از مولانا زبیر احمد صدیقی۔ مکتبہ رشیدیہ جامعہ فاروقیہ شجاع آباد ضلع ملتان پاکستان۔ صفحہ نمبر 213, 214, 215۔

12) مارتونگ باباجی کی کہانی، خود ان کی زبانی۔ مولانا خان بہادر المعروف مارتونگ باباجی۔ پہلی اشاعت نومبر 1999ء، دوسری جنوری 2007ء۔ ناشر حاجی حنیف پرنٹرز لاہور۔ مصنف فضل محمود روخان۔

13) الدرس السامی شرح الحسامی۔ مولانا محمد کبیر مارتونگی۔ ناشر: مدینہ کتب خانہ محلہ جنگی، پشاور و مذہبی کتب خانہ، محلہ جنگی، پشاور۔

14) مولانا کمال الدین المسترشد کے کمالات علمی۔ ڈاکٹر عبد الستار آزاد، سوات۔ روزنامہ آج صبح، راولپنڈی۔ اتوار، 24 نومبر 2024ء۔

15) ماہنامہ دارالعلوم دیوبند۔ نگران مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی۔ مدیر مولانا محمد سلمان بجنوری۔ جلد 108۔ شمارہ 12۔ جمادی الثانی 1446ھ بمطابق دسمبر 2024ء۔ صفحات 41 تا44۔

16) عظیم صوفی بزرگ شمس العلماء مولانا صفی اللہ داداجی۔ زندگی، تعلیمات اور کرامات۔ بزبان بنگلہ وانگریزی۔ مصنف: عبد الواحد۔ و آزاد دائرہ المعارف مولانا صفی اللہ داداجی۔

17) مولانا انور شاہ کشمیری، حیات اور علمی کارنامے۔ مصنف ڈاکٹر قاری محمد رضوان اللہ، استاد شعبہ سنی دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ 1973ء۔ و آزاد دائرہ المعارف مولانا انور شاہ کشمیری۔

18) سوانح حیات حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی۔ مصنف مولانا عبد الصمد صارم۔ اہتمام ایم ثناء اللہ خان اینڈ سنز ۲۶ ریلوے روڈ لاہور۔ منصور پریس لاہور۔ 1958ء۔ و آزاد دائرہ المعارف علامہ شبیر احمد عثمانی۔

19) مولانا مفتی محمد حسنؒ۔ تحریر از فرزند مولانا حافظ فضل الرحیم اشرفی۔ روزنامہ نوائے وقت۔ 14 جون 2019ء۔ و آزاد دائرہ المعارف مفتی محمد حسن (1880-1961ء)۔

20) مفتیِ اعظم حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ حیات وخدمات۔ تحریر از مولانا اشتیاق احمد قاسمی ریسرچ سکالر شعبہ اردو مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدر آباد۔ مقالات و مضامین دارالعلوم دیوبند۔ 7 جون 2022ء۔ و آزاد دائرہ المعارف مفتی عزیز الرحمن عثمانی۔

21) تاریخ دار العلوم دیوبند۔ از مولانا سید محبوب رضوی۔ جلد 2، ایڈیشن 1993۔ ادارۂ اہتمام، دار العلوم دیوبند۔ صفحات 63-64۔ و آزاد دائرہ المعارف مولانا مرتضی حسن چاندپوری۔

22) حضرت مولانا رسول خان۔ ابو عمار زاھد الراشدی۔ روزنامہ پاکستان لاہور۔ 29 اپریل 2007ء۔ و آزاد دائرہ المعارف مولانا رسول خان ہزاروی۔

23) شیخ المنطق والفلسفہ حضرت علاّمہ محمد ابراہیم بلیاوی نور اللہ مرقدہ۔ از مولانا مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی۔ ماہنامہ دارالعلوم، شمارہ 2، جلد نمبر 94، صفر- ربیع الاول 1431ھ مطابق

فروری2010ء۔ و آزاد دائرہ المعارف مولانا محمد ابراہیم بلیاوی۔

24) آزاد دائرہ المعارف مولانا اصغر حسین دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

25) شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہی برد اللہ مضجعہ۔از مولانا مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی۔ ماہنامہ دارالعلوم ، شمارہ 5 ، جلد نمبر 94، جمادی الاول -جمادی الثانی 1431ھ مطابق مئی2010ء۔ و آزاد دائرہ المعارف مولانا اعزاز علی امروہوی۔

26) حضرت مولانا سیّد محمد میاں دیوبندی بہ حیثیت سوانح نگار۔ ڈاکٹر مولانا اشتیاق احمد قاسمی۔ مقالات و مضامین دارالعلوم دیوبند الہند۔ 22اکتوبر 2022ء۔ و آزاد دائرہ المعارف مولانا سید میاں دیوبندی۔

27) حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی قدس سرّہ العزیز۔ عتیق احمد۔ روزنامہ جنگ کراچی۔ 10 فروری1989ء۔ و آزاد دائرہ المعارف مولانا محمد ادریس میرٹھی۔

28) مضمون انعام الرحمن فی تفسیر القرآن۔ مولانا مفتی کمال الدین المسترشد۔ رئیس دارالافتاء جامعہ اسلامیہ کلفٹن کراچی۔ مجلس صوت الاسلام پاکستان۔

29) پروفیسر صبغت اللہ مجددیؒ۔ مولانا ابو عمار زاہد الراشدی۔ ماہنامہ الشریعۃ گجرانوالہ۔ جلد 30، شمارہ3,مارچ2019ء۔ صفحات19-20۔ و آزاد دائرہ آلمعارف صبغت اللہ مجددی۔

30) اخون سالاک درویزہ مکتبِ فکر کے نثر نگار کی حیثیت سے۔ بزبان پشتو۔ بدر الحکیم حکیم زئ اور شہاب اختر۔ جرنل پشتو جلد47, نمبر656۔ جولائی۔ دسمبر2018ء۔

31)وادی چغرزی۔ مصنف حیدر علی اخوند خیل۔ صفحات 112 تا114۔

32)ریاست سوات کے اخری چیف جسٹس۔ حجرہ۔ امجد علی سحاب۔24دسمبر2017ء۔

33) مونوگرام آف سوات سٹیت۔ میجر ڈبلیو۔ آر۔ ھے۔ پولیٹکل ایجنٹ برائے برطانوی ہند۔ 1933ء۔

34) پورٹریٹ اینڈ سٹوریر۔ جولز پریٹی۔ ایمریٹس پروفیسر آف اینوارنمنٹ اینڈ سوسائٹی۔ یونیورسٹی آف ایسکس۔1988ء۔

انٹرویوز

1) مفتی کمال الدین المسترشد ولد جمیل الرحمن ولد مولانا قاضی انعام اللہ۔ عمر بوقت انٹرویو64 سال۔ شیخ الحدیث ورئیس دارالافتاء، جامعہ اسلامیہ کلفٹن کراچی۔ مقیم کراچی، پاکستان۔ انٹرویو بروزِ پیر 27 مئی2024ء۔

2) اعزاز الدین صدیقی ولد مولانا حبیب الرحمن ولد مولانا قاضی انعام اللہ۔ عمر بوقت انٹرویو46 سال تخمیناً۔ ماہر مضمون انگریزی، گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول مارتونگ۔ مقیم کوزکلے، مارتونگ۔ تعلیم، ایم اے انگلش واسلامیات۔

3) مولانا مغفور اللہ باباجی۔ عمر بوقت انٹرویو90 سال تخمیناً۔ شیخ الحدیث، جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔ مقیم اکوڑہ خٹک، نوشہرہ۔ انٹرویو تاریخ مئی2024ء۔

4) احسان اللہ ولد شمس الرحمن ولد مولانا قاضی انعام اللہ۔ عمر بوقت انٹرویو 70 سال تخمیناً۔ ریٹائرڈ سکول ٹیچر۔ مقیم کوزکلے مارتونگ۔ انٹرویو بروزِ پیر 27 مئی2024ء۔

5) علی بہادر خان ایڈوکیٹ ولد محترم احمد علی خان۔ عمر بوقت انٹرویو 67 سال تخمیناً۔ مقیم منزکلے، مارتونگ، شانگلہ، خیبر پختونخوا۔ انٹرویو بروزِ جمعہ 15 نومبر 2024ء۔

6) نثار خان ایڈوکیٹ۔ ایڈوکیٹ لوکل کورٹ۔ مقیم تحصیل پورن، شانگلہ، خیبر پختونخوا، پاکستان۔ انٹرویو بروزِ منگل 28 مئی2024۔

7)مولانا صباح الدین ولد مولانا حبیب الرحمن ولد مولانا قاضی انعام اللہ۔ عمر بوقت انٹرویو 55 سال تخمیناً۔ سینئر معلم عربی، گورنمنت ہائی سکول دراسیری، پورن۔ مقیم کوز کلے مارتونگ۔ تعلیم: ایم اے اسلامیات، پشاور یونیورسٹی۔

8)محترم محمد رحیم ماما۔ سابق ملازم محکمہ پولیس، تحصیل مارتونگ، ریاست سوات بوقت قاضی انعام اللہ۔ مقیم ٹیڈاہ، شوکر، مارتونگ۔ انٹرویو بروزِ بدھ 2 اپریل 2025ء۔

9)محترم شفاء الملک استاد صاحب۔ ریٹائرڈ سکول ٹیچر۔ مقیم منز کلے، مارتونگ۔ انٹرویو بروزِ جمعرات 3 اپریل 2025ء۔

10)مولانا رفیع اللہ عباسی۔ عمر بوقت انٹرویو 80 سال تخمیناً۔ اصل تعلق جدبا گمبت، تورغر۔ مقیم ہل پارک، کراچی۔ انٹرویو تاریخ اکتوبر 2024ء۔

11)محترم مرزا عبدالباعث صاحب۔ عمر بوقت انٹرویو 80 سال تخمیناً۔ سابق مرزا، ریاست سوات و حکومت پاکستان (1968ء-2000ء)۔ مقیم سنڈیری، مارتونگ۔ انٹرویو بروزِ جمعہ 22 نومبر 2024ء۔

12)محترم شاہین صاحب۔ عمر بوقت انٹرویو 70 سال تخمیناً۔ مقیم شگہ مارتونگ۔ انٹرویو بروزِ پیر 9 جون 2025ء۔

13)افسر الملک ایڈوکیٹ صاحب۔ عمر بوقت انٹرویو 65 سال تخمیناً۔ مقیم منز کلے مارتونگ۔ انٹرویو بروزِ اتوار 25 مئی 2025ء۔

تمّت بالخیر وصلی اللہ علی النبی الکریم


07/03/2025 17:32


مارتونگ کا حسین نظارہ
(نفاذ الدین صدیقی)
31/03/2024 16:26